37

15 اکتوبر 2003ء — 18 شعبان 1424ھ

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

- امریکا ہم سے کیا چاہتا ہے چار مطالبات کی حقیقت (اداریہ)
- قصہ آدم وابلیس میں انسانیت کے لئے پیغام (خطبہ جمعہ)
- آگ سے مت کھیلیں —— حکام سے مطالبہ (تجزیہ)

پُل صراط

ہسپانیہ کے اُموی خلیفہ ہشام نے حکم دیا کہ دریائے وادالکبیر کے کنارے مسجد قرطبہ کے پاس ایک پُل بنایا جائے۔ یہ پُل بنایا گیا۔ پہلے بھی یہاں ایک پُل تھا لیکن یہ جگہ جگہ سے ٹوٹ گیا تھا۔ باپ نے مسجد قرطبہ بنائی تھی۔ بیٹے نے سوچا کہ نمازیوں کو آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ بہتر ہے کہ پتھروں سے ایک عظیم الشان پُل بنایا جائے۔ چنانچہ وادیٔ الکبیر پر بڑے اہتمام سے پل بننے لگا۔

ہشام اوّل کوئی آٹھ برس (172 ہجری سے 180 ہجری تک) ہسپانیہ کا حکمران رہا۔ وہ بڑا نیک' دیندار' عالموں فاضلوں کی قدر کرنے والا' انصاف کا دلدادہ' غریبوں کا مددگار اور نظم ونسق کو قابو میں رکھنے والا شخص تھا۔ ''نفح الطیب'' میں لکھا ہے کہ وہ راتوں کو اپنے محل میں سوتا نہ تھا۔ چپکے سے اٹھ کر باہر نکل جاتا اور شہر میں چکر لگاتا رہتا تھا۔ یہ بات ہارون الرشید کے بارے میں بھی کہی جاتی ہے۔ وہ ہشام اوّل ہی کا ہم عصر اور بغداد کا حکمران تھا۔

جب وادیٔ الکبیر پر پُل بن کر تیار ہوگیا تو ہشام بڑا خوش ہوا۔ یہ پُل فنِ تعمیر کا ایک نادر نمونہ تھا۔ اُس کی مضبوطی اور پائیداری کا یہ عالم ہے کہ لگ بھگ چودہ سو برس گزر جانے کے بعد آج بھی یہ وادیٔ الکبیر پر کھڑا ہوا ہشام کے خلوص کا ثبوت فراہم کر رہا ہے اور ہسپانیہ میں مسلمانوں کی عظمت کے سرنگوں ہونے پر نوحہ خواں ہے۔ علامہ اقبال جب ہسپانیہ گئے تو اُنہیں بھی یہ دریا' پُل اور مسجد قرطبہ بہت یاد آئے تھے:

آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی! — دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

پُل لوگوں کی گزرگاہ بن گیا تو ایک دن ہشام اوّل نے اپنے وزیر سے پوچھا کہ پُل پر سے گزرنے والے میرے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہ رفاہِ عامہ کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ لوگ اسے بہت پسند کرتے ہوں گے' لیکن اس کا سیر وشکار کا شوق عوام کو پسند نہ تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بناتے تھے' بلکہ اُسے نااہل اور ناکارہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ وزیر نے جواب میں کہا: ''جہاں پناہ! گستاخی معاف' لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ پُل آپ نے اس لئے بنوایا ہے کہ آپ کو شکارگاہ جانے میں سہولت ہو۔'' وزیر کی یہ بات سن کر وہ کانپ گیا۔ ہشام کا دل اچھا تھا۔ عوام کی رائے معلوم ہوئی تو وہ فوراً سنبھل گیا۔ سیر وشکار کا شوق اُسی دن سے ترک کر دیا۔ یوں یہ پُل ہشام کے لئے پُل صراط بن گیا اور اسے جنّت کی راہ پر لے آیا۔

لمحۂ فکریہ

شاہ بلیغ الدین

سورۃ البقرۃ (آیت255)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ○﴾

''خدا (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ ہمیشہ رہنے والا۔ اُسے نہ اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔ جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہو چکا ہے اسے سب معلوم ہے۔ اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے۔ اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے اس کی بادشاہی (اور علم) آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے اور اُسے ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے۔''

یہ قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت ہے۔ اس کا معروف نام آیت الکرسی ہے یہ توحید کے گرانقدر خزانوں میں سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے سیدۃ آیات القرآن فرمایا ہے یعنی تمام آیات قرآنی کی سردار۔ جس طرح ایک چھوٹی سی سورت سورۃ العصر میں ہدایت اور نجات کی شرائط ساری کی ساری آ گئی ہیں اسی طرح توحید باری تعالیٰ کے ضمن میں یہ آیت جامع ترین ہے۔ اور سورۃ الاخلاص جامع ترین سورت ہے۔ جسے حضور ﷺ نے ثلث قرآن قرار دیا ہے۔ آیت الکرسی میں توحید فی الصفات کا ذکر جامعیت کے ساتھ آ گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی وہ معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی الہٰ نہیں ہے۔ مخلوق کا ہر فرد اس کا محتاج ہے۔ جب کہ وہ ہر قسم کی احتیاج سے پاک اور منزہ ہے۔ وہ از خود اور بالخود زندہ ہے اُس کی زندگی مستعار نہیں۔ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کی زندگی میں کوئی ضعف' کمزوری یا احتیاج نہیں ہے۔ جیسا کہ آگے آئے گا کہ اُسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ وہ القیوم ہے یعنی زندہ جاوید ہستی ہے اور باقی ہر شے کا وجود اُس کے حکم سے قائم ہے۔ اُس کے اذن کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اللہ اپنی جگہ احد ہے لیکن باقی پوری کائنات کے لئے الصمد ہے۔ یہی دو الفاظ سورۃ الاخلاص میں آئے ہیں کبھی اُس پر نیند غالب نہیں آتی اور نہ ہی اونگھ۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے' وہ اُسی کا ہے۔ ملکیت تامہ اور ملکیت حقیقی اُسی کی ہے۔ کون ہے وہ جو اُس کے پاس شفاعت کر سکے۔ مگر اُس کی اجازت سے۔ شفاعت کا ذکر اسی سورۃ میں پہلے تین دفعہ آ چکا ہے یعنی چھٹے رکوع' پندرہویں رکوع اور آیت الکرسی سے پہلی آیت میں۔ وہاں ذکر ہے کہ کوئی شفاعت نہیں۔ یہاں اس کا استثنٰی کیا مگر دیکھئے کس قدر جلالی انداز ہے۔ من ذاالذی کس کی یہ حیثیت ہے۔ کس کا یہ مقام و مرتبہ ہے کہ اپنے اختیار اور چاہت سے اُس کے ہاں سفارش کر سکے۔ ہاں جس کے لئے اللہ تعالیٰ اجازت دے دے۔ یہ ایک باریک مسئلہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت تو بس اللہ ہی کا اختیار ہے۔ ان الشفاعة للّٰہ جمیعاً ہاں اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی عزت افزائی کے لئے شفاعت کی اجازت دے گا مگر اللہ تعالیٰ خود ہی بتائے گا کہ وہ کس کے حق میں شفاعت کر سکتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ عالم الغیب تو صرف اللہ ہے۔ اگر کوئی مقبول بندہ بظاہر احوال کسی ایسے شخص کی سفارش کر دے جس کی بخشش منظور نہ ہو تو اُس مقبول بندے کی اہانت ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کو اپنے مقبول بندوں کی اہانت ہرگز گوارا نہیں۔ لہٰذا شفاعت کرنے والوں کو وہ خود ہی بتائے گا کہ وہ کس کس کی شفاعت کر سکتے ہیں۔

وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ دنیا میں سفارش کرنے والا کہتا ہے کہ صاحب میں اس آدمی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ جس طرح یہ نظر آ رہا ہے یا گمان کیا جا رہا ہے' ویسا یہ ہے نہیں۔ اصل حقائق کچھ اور ہیں وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ دیکھئے ایسی بات اللہ تعالیٰ کے سامنے کون کہہ سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تو خود ہر چیز کا علم رکھتا ہے وہ تو جانتا ہے جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کے علم میں سے کسی شے کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ لوگوں کے پاس تو صرف اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم ہی ہے۔ ہر ایک کا علم بہرحال محدود ہے۔ خواہ وہ بڑے سے بڑا رسول ہو' ولی ہو یا بڑے سے بڑا فرشتہ ہو۔ پیچھے چوتھے رکوع میں ہے کہ فرشتوں نے اللہ کے حضور کہا لا علم لنا الا ما علمتنا ہمیں کسی چیز کا علم نہیں سوائے اس کے جس کا علم تو نے ہمیں دیا۔

اس کی کرسی تمام آسمانوں اور زمین کو محیط ہے۔ کرسی سے مراد اُس کا اقتدار۔ اُس کی قدرت اور اس کا اختیار ہے جو پوری کائنات پر جاری ہے۔ ہاں اس لفظ کی اصل حقیقت تک ہمارا ذہن نہیں پہنچ سکتا۔ ہو سکتا ہے عرش اور کرسی کی کوئی مجسم حقیقت بھی ہو جو ہمارے فہم کی رسائی سے باہر ہو۔

وہ آسمانوں اور زمینوں کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہے مگر ان کی حفاظت اور نگرانی اُس پر ذرا بھی گراں نہیں۔ تھکان اور تھکاوٹ تو عیب ہیں اور وہ ہر عیب سے پاک ہے وہ تو بلند و بالا اور عظمت والا ہے۔

منافق کو سردار کہنا

فرمانِ نبوی

چوہدری رحمت اللہ بٹر

((عن بریدۃ رضی اللہ عنہ عن ابیه قال قال رسول اللہ ﷺ ((اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلْمُنَافِقِ يَا سَيِّدْ فَقَدْ اَغْضَبَ رَبَّهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى)) (رواہ ابو داؤد)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص کسی منافق کو کہتا ہے اے سردار تو اللہ تعالیٰ کو غصہ دلاتا ہے۔''

منافق شخص کا کردار ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس کی تائید مومن کے لائق شان نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ کا غضب بھڑکتا ہے۔

تا خلافت کی بناء دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

جلد	9 تا 15 اکتوبر 2003ء	شمارہ
12	۱۲ تا ۱۸ شعبان ۱۴۲۴ھ	37

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر: حافظ عاکف سعید
مدیر (اشاعتِ خصوصی): سید قاسم محمود
نائب مدیر: فرقان دانش خان

مجلس ادارت

ڈاکٹر عبدالخالق۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6366638-6316638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ: 5 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

9/10/03

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امریکا ہم سے کیا چاہتا ہے؟

پاک امریکہ تعلقات کی 56 سالہ تاریخ میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا کہ ایک سہ ماہی کے اندر اندر پاکستان کے صدر نے دو مرتبہ اور وزیراعظم نے ایک مرتبہ امریکہ جا کر اس کے صدر سے شرف ملاقات حاصل کیا ہو۔ ان ملاقاتوں اور مذاکرات کے پس منظر میں وہ نیا ناٹک بھی پیش نظر رہنا چاہئے جو امریکہ کے اشاروں پر بھارت آج کل پاکستان کے خلاف رچا رہا ہے۔ کشمیر کے مسئلے پر مذاکرات کی بار بار پیشکش کے بار بار دہرائے جانے کے باوجود بھارت کے حکمرانوں نے جو رویہ اچانک اختیار کر لیا ہے' اس کا اصل مقصد یہی ہے کہ امریکہ اپنے مطالبات منوانے کے لئے پاکستان پر دباؤ ڈالنے کی ایک اور کوشش کر رہا ہے اور اس مقصد کے لئے اب کے بھارت کو زیادہ مستعدی سے استعمال کر رہا ہے۔ بھارت کے حکمران نادانستہ طور پر امریکہ کے اشاروں پر اس لئے چل رہے ہیں کہ امریکہ کو ممنون کر کے اس کے ساتھ بھارت کے گٹھ جوڑ کو مزید مضبوط کر لیا جائے۔

آخر امریکہ ہم سے چاہتا کیا ہے؟ پاکستان سے اس کا ایک مطالبہ تو یہ ہے کہ پاکستانی فوج' خواہ کچھ بھی ہو جائے' بہر صورت عراق بھیجی جائے۔ دوسرا مطالبہ' جس پر اب اور بھی زیادہ زور دیا جا رہا ہے' وہ یہ ہے کہ افغانستان میں متعین امریکی فوج کو القاعدہ اور طالبان کے تعاقب میں پاکستان کے زیر انتظام قبائلی علاقوں میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔ امریکیوں کا خیال ہے کہ یہ جنگجو عناصر قبائلی علاقے کو اپنی پناہ گاہ بنائے ہوئے ہیں اور وہیں سے افغانستان میں داخل ہو کر جارحانہ کارروائیاں کر رہے ہیں۔ امریکیوں کو یہ شبہ بھی ہے کہ پاکستانی حکام افغانستان میں دراندازی روکنے سے عملاً گریز کر رہے ہیں تاکہ قبائلی باشندے پاکستان سے ناراض نہ ہونے پائیں۔ امریکہ کا تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ پاکستان اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کا برملا اعلان بھی کرے۔ چوتھا مطالبہ یہ ہے کہ ایٹمی اثاثوں سے دست برداری کا راستہ اختیار کیا جائے۔

یہ چاروں مطالبات ایسے ہیں جن کو پاکستان کے بڑے سے بڑے امریکہ نواز حکمران بھی تسلیم نہیں کر سکتے' کیونکہ پاکستان کے چودہ کروڑ عوام انہیں کبھی کوئی ایک مطالبہ بھی تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اگرچہ امریکا پاکستان کے مقتدر حلقوں میں اپنے دیرینہ اثر و رسوخ کی وجہ سے مرضی کے فیصلے کرانے اور اپنے مطالبات منوانے کا عادی ہے' لیکن عوامی دباؤ ہی کی وجہ سے امریکہ کو اپنے مطالبات منوانے میں پاکستانی حکمرانوں کا تیز رفتار تعاون نہیں مل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے اب کہ امریکہ نے اپنی پالیسی تبدیل کر لی ہے۔ ایک طرف بھارت کو پاکستان کی جانب رویہ سخت کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اور دوسری طرف پاکستان پر براہ راست دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ امریکی مطالبات تسلیم کریں۔

مذکورہ چار مطالبات میں امریکہ کی ترجیح اول عراق میں پاکستانی فوج بھیجنا ہے۔ اسی لئے امریکہ نے اپنا ''دانہ'' پاکستان کے فوجی حلقوں ہی میں پھینکا ہے۔ اس نے پاکستان کے سیکرٹری دفاع حامد نواز صاحب کو' جو وزیراعظم کے دورے سے دو تین روز پہلے امریکہ یاترا پر تھے' 12 نئے ایف سولہ طیارے اور سابقہ ایف سولہ طیاروں کے پرزے (کانگریس سے منظوری کی شرط پر) فراہم کرنے کی پیشکش کی ہے' اور تعجب اور ندامت کی بات یہ ہے کہ اس پیشکش کا اعلان بھی امریکہ نے نہیں کیا' پاکستان کے سیکرٹری دفاع نے کیا ہے' اور اپنی پریس کانفرنس میں اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حق میں دلائل دیئے ہیں اور عراق میں فوج بھجوانے کے مطالبات کی وکالت کی ہے۔

جس وقت یہ سطور پریس جا رہی ہیں' تازہ ترین خبر یہ ہے کہ امریکی نائب وزیر رچرڈ آرمیٹج اور کرسٹینا روکا اور امریکی سنٹرل کمانڈ کے سربراہ جنرل ابی زید جنرل پرویز مشرف اور وائس چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد یوسف سے ملاقات کرنے والے ہیں تاکہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں القاعدہ اور طالبان کو کچلنے کے لئے اور عراق میں پاکستانی فوج بھیجنے کے مسئلے پر سخت دباؤ ڈالا جا سکے۔

اُدھر نیویارک میں عیار امریکی حکام ہمارے سادہ لوح وزیراعظم میر ظفر اللہ جمالی کو اپنے شیشے میں اتارنے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں اور اپنے مطالبات یکے بعد دیگرے منوانے کے لئے طرح طرح کے لالچ دے رہے ہیں' ہمارے اندرونی معاملات میں بھی مشورے دے رہے ہیں کہ متحدہ مجلس عمل کے ساتھ ساتھ پیپلز پارٹی سے بھی اپنے روابط مضبوط کریں۔ جمالی صاحب کو چاہئے کہ وہ اپنے ملک کے وسیع تر مفادات کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو جائیں' اپنے اُصولی مؤقف پر ڈٹے رہیں اور امریکی حکومت اور بالخصوص رسوائے زمانہ صدر بش کی کوئی ایسی بات تسلیم نہ کریں جس سے پاکستان کی نظریاتی اساس اور بنیادی مفادات کو زک پہنچتی ہو۔ (ادارہ)

خوبصورت جواب طلبی

❁ ''بحوالہ شمارہ 32' مورخہ 10 ستمبر۔ آپ نے صفحہ 11 پر چند سوالات دے کر یہ وعدہ کیا تھا کہ ان سوالات کے علاوہ اور بھی بہت سے سنسنی خیز انکشافات آئندہ شمارے میں کیے جائیں گے' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے پاکستان کی تقریباً ہر حکومت کے اندر اسرائیل نواز افراد رہے ہیں۔ لیکن حسب وعدہ آئندہ شمارے میں آپ نے ان سوالوں کا جواب نہیں دیا۔ براہِ کرم اُس شمارے کا نمبر اور متعلقہ صفحات کا نمبر بتائیے۔

(الطاف الرحمٰن قریشی صاحب' بذریعہ انٹرنیٹ)

محترم! تقریباً پورا شمارہ 33 ان سوالوں کے لئے وقف ہے۔ آپ نے شاید یہ شمارہ ابھی تک پڑھا نہیں...... (ادارہ)

☆☆☆

نظریۂ پاکستان نمبر

❁ یہ خصوصی شمارہ ملا تو خیال تھا کہ فوری طور پر مبارکباد کا خط لکھوں' لیکن ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے ملک سے باہر جانا پڑا۔ واپس آکر مجھے رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی میں رئیس الجامعہ کی ذمہ داری قبول کرنی پڑی' جس نے مصروفیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ بہرصورت یہ شمارہ اپنے نفسِ مضمون اور مندرجات کے لحاظ سے بہت معیاری ہے' مبارک باد قبول فرمائیں۔ (پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد' وائس چانسلر' رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی' اسلام آباد)

❁ یہ خصوصی شمارہ 56 سال پہلے قائداعظم اور لیاقت علی خان کو پیش کر دیا جاتا تو اللہ تعالیٰ' اسلام اور مسلمانوں سے کیے گئے وعدوں سے متعلق ان حضرات کے نفسِ لوامہ کو متحرک کیا جا سکتا تھا' اور یہ مخلص لوگ اسلام کے نفاذ کے بارے میں کوئی حقیقی پیش رفت کر سکتے۔

(بنت محمد علی ابراہیم)

❁ یہ شمارہ گراں قدر تحفہ اور فکر و نظر کا دلکشا سرمایہ ہے۔ یہ گرہ میں باندھ کر رکھنے کی چیز نہیں' بلکہ ''تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را'' کا مخزن ہے۔ جناب سید قاسم محمود کے قلم نے اسے تاریخی دستاویز بنا دیا ہے۔ ''ندائے خلافت'' کے تینوں خصوصی شمارے ''نشانِ راہ'' ہیں۔

شاہ مصباح الدین شکیل' کراچی

❁ آپ نے جس قدر تحقیقی اور غیر جانبدارانہ انداز میں یہ نمبر پیش کیے ہیں' وہ آپ ہی کا خاصہ ہیں۔ آپ نے خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے جو جرس بجایا ہے' اگر وہ تسلسل کے ساتھ بجتا رہا تو قوی اُمید ہے کہ جہاں جہاں اس جرس کی آواز پہنچے گی' مدہوش مسلمانوں کے دل و دماغ پر چوٹ پڑے گی اور یہی چوٹ اس کی حقیقی بیداری کا سبب بنے گی۔ (عبدالقدیر کانجو' ڈہرکی' سندھ)

❁ اس خصوصی شمارے میں بہمنی سلطنت کو دولت آباد میں بتایا گیا ہے اور محمود گاواں کے مدرسے کو ضلع بیدر میں بتایا گیا ہے۔ بہمنی سلطنت کے بانی کا نام علاء الدین گنگو نہیں' بلکہ حسن گنگو تھا' جن کو ایک برہمن کی زمین سے ایک نہایت ہی بیش بہا دفینہ ملا تھا۔ برہمن نے آپ سے عرض کی کہ اس خزانے کے مالک میرے علم جوتش کے مطابق آپ ہی ہیں۔ جب آپ برسر اقتدار آ جائیں تو میری تین گزارشات کی تعمیل پر توجہ دیجئے۔ اوّل یہ کہ اپنی سلطنت کا جھنڈا زرد رکھئے اور اس پر ایک سفید کپڑا چسپاں کیجئے جو روٹی کی علامت ہے۔ دوم' اپنے نام حسن گنگو کے ساتھ بہمنی ضرور رکھئے' تاکہ میرا نام بھی یادگار رہے' اور سوم یہ کہ اپنا وزیر اعلیٰ ہمیشہ برہمن رکھئے گا۔ سلطنت بہمنی آخر کار (نظام اوّل کے عہد میں) سلطنت آصفیہ میں شامل کر لی گئی' لیکن آصفیہ سلطنت کا جھنڈا زرد رنگ ہی کا رہا اور نظام کی پگڑی بھی زرد رنگ کی ہی رہی۔ آصف جاہ سابع میر عثمان علی خان کے وزیر اعلیٰ مہاراجہ کرشن پرشاد تھے جو برہمن تھے۔ بعد میں سرکار انگلیشیہ نے کرشن پرشاد کے انتقال کے بعد سر اکبر حیدری کو نامزد کیا۔ اُن کے بعد سر اسماعیل' پھر نواب سعید احمد چھتاری اور آخر میں میر لائق علی تھے جن کے عہد میں 1948ء میں پولیس ایکشن میں حیدر آباد دکن کی ریاست بھارت میں شامل کر لی گئی۔

(سعید احمد صدیقی صاحب' رفیق تنظیم اسلامی' سکھر)

تحریک پاکستان نمبر

اب آئندہ آپ کے پیش نظر ''تحریک پاکستان نمبر'' کی اشاعت ہے' جس کی پیشگی مبارک قبول ہو۔ آپ اس شمارے میں مضامین کس ترتیب اور تسلسل کے پیش نظر لگائیں گے' اُس کے لئے آپ کے رفقاء کار میں حد درجہ اہل لوگ موجود ہیں۔ راقم ان سطور میں صرف ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ

☆ نظریۂ پاکستان اور علامہ اقبال ایک ہیں۔ اقبال کا فکر ہی نظریۂ پاکستان ہے۔ نظریۂ پاکستان اسلامی انقلاب یا خلافت کا قیام ہی کا دوسرا نام ہے۔

☆ علامہ اقبال ہی نے قائداعظم کو بلایا اور انہیں اس نظریۂ پاکستان یا نظریۂ انقلاب یا اسلام کے غلبہ یا اسلام اور اسلامیانِ ہند کے لئے ایک ملک کے حصول کی جدوجہد کے لئے آمادہ کیا۔

☆ قائداعظم کی مذہبی رہنمائی یا نظریاتی رنگ علامہ اقبال کے افکار ہی کا مرہونِ منت ہے۔

☆ تحریک پاکستان کے سلسلے میں علامہ اقبال کا قائداعظم کے ماتحت کام کرنا ان کے ایثار کا ثبوت ہے۔

☆ تحریک پاکستان کے لئے اسلامی فکری مواد علامہ اقبال نے فراہم کیا۔ ایک تحریک چلی——

''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ''

نظریۂ توحید...... نظریۂ انقلاب اور عالمی سوشل جسٹس کا علمبردار ہے۔

تحریک پاکستان کے لئے قائداعظم کے مشہور الفاظ بھی علامہ اقبال کے نظریۂ انقلاب ہی سے ماخوذ ہیں

unity, Faith, Discipline

علامہ اقبال کے نزدیک (جیسے منہج انقلاب میں بہت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے) انقلاب کے ابتدائی مراحل نظریہ...... جماعت...... تنظیم میں

اسی کو علامہ اقبال نے ؎

بانشہ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

یہی مراحل ہیں جو منہج انقلاب نبویؐ میں یوں درج ہیں

O انقلابی جدوجہد کے لوازم و مراحل
O پہلا مرحلہ انقلابی نظریہ اور اس کی اشاعت
O دوسرا مرحلہ انقلابی جماعت کی تشکیل و تنظیم
O تیسرا مرحلہ ٹریننگ و تربیت
O یعنی ڈسپلن کا خوگر بنانا

بعینہٖ یہی تین مراحل ہیں جو قائداعظم کے ان الفاظ میں ہیں جو مسلم لیگ اور بعد میں پاکستان کے عوام کے لئے MOTTO بن گئے

ایمان...... اتحاد...... تنظیم

Disciplne...... Unity...... Faith

تو گویا یہ الفاظ بھی اقبال کے انقلابی نظریہ سے ماخوذ ہیں جو تحریک پاکستان کا MOTTO ہے اور یہی چیز...... علامہ اقبال...... نظریۂ پاکستان...... تحریک پاکستان...... تنظیم اسلامی اور Global Socail Justice اور عالمی اسلامی جمہوری فلاحی پاکستان میں مشترک ہیں۔ یہی تسلسل تحریک پاکستان نمبر میں نمایاں ہونا چاہئے۔

(مختار حسین فاروقی' امیر حلقہ پنجاب وسطی' جھنگ صدر)

اس ہفتے کا آخری خط

براہِ کرم یہ شمارہ مکمل مطالعہ کرنے کے بعد اپنی قیمتی رائے سے ہمیں آگاہ کرنا نہ بھولیے۔ (مدیر)

قصۂ آدم و ابلیس میں انسانیت کے لئے پیغام

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید کے 3 اکتوبر 2003ء کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص

ہم سورۂ بنی اسرائیل کے چھ رکوعوں کا سلسلہ وار مطالعہ کر چکے ہیں۔ آج ساتویں رکوع کا مطالعہ پیش نظر ہے۔ اس رکوع کے آغاز میں قصہ آدم وابلیس کا ذکر ہے۔ قرآن مجید میں اس واقعے کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ سات مقامات پر یہ قصہ مختلف پیراؤں میں بیان ہوا ہے۔ دراصل اس قصے کی بار بار یاد دہانی سے انسانیت کو ایک عالمگیر پیغام دینا مقصود ہے۔ یہ کہ انسان کی منزل کھوٹی کرنے کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں مثلاً دنیا کی زیب و زینت اور رنگا رنگی' تمہارا اپنا نفس جو تمہیں برائی کی ترغیب دیتا رہتا ہے' وہاں کائنات کی ایک بہت خوفناک حقیقت ابلیس کی ہے جو تمہیں صراط مستقیم سے ہر لمحہ برگشتہ کرنے کے درپے ہے۔ لہٰذا قرآن نے انسان کو ابلیس کے ہتھکنڈوں اور طریقہ واردات سے برابر آگاہ کیا ہے تاکہ اس سے محفوظ رہنے کے لئے شعوری کوشش کی جاسکے۔

قرآن نے ابلیس کا سب سے بڑا حربہ یہ بتایا ہے کہ وہ انسان کو شرف آدمیت کی خلعت سے محروم کر کے بے لباس کرنا چاہتا ہے۔ یعنی اسے ''حیا'' کے فطری زیور سے محروم کر کے حیوان بنا دینا چاہتا ہے۔ مغربی تہذیب شیطان کے اسی حربے سے بری طرح مات کھا چکی ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کے بعد اس کے متصلاً سورۂ کہف آتی ہے۔ یہ قرآن حکیم کا مرکزی حصہ ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل سے سورۂ کہف تک ایک مسلسل مضمون ارتقائی مراحل طے کر رہا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں انسانیت کو ابلیس کے اصل مرض یعنی تکبر کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ اس کے طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے خبردار کیا گیا ہے' جن کا نقطۂ عروج دجالی فتنہ ہوگا۔ اس دجالی فتنہ میں ابلیس کے سب سے بڑے ایجنٹ یعنی یہود (بنی اسرائیل) مرکزی کردار ادا کریں گے جن کا اصل مرض بھی تکبر اور حسد ہے۔ اس فتنے کا توڑ سورہ کہف ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کے ساتویں رکوع کی آیت **61** میں فرمایا گیا:

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ بولا کیا میں اُسے سجدہ کروں' جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا۔''

ابلیس اگرچہ فرشتوں میں سے نہ تھا بلکہ وہ جن تھا لیکن اپنی عبادات اور زہد کے باعث فرشتوں کی صف میں شامل ہو گیا تھا۔ جب تمام فرشتوں نے اللہ کے حکم پر آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تو شیطان نے انکار کر دیا کہ یہ تو مجھ سے حقیر ہے' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ گویا اللہ کی نافرمانی کے پیچھے شیطان کا یہ تکبر تھا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ آج کی دجالی تہذیب کو آگے بڑھانے والے شیطان کے سب سے بڑے ایجنٹ ''یہود'' کا بھی یہی مرض ہے یعنی تکبر۔ یہودی خود کو بقیہ نوع انسانی سے برتر اور بہتر سمجھتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کو پہچاننے کے باوجود کہ آپؐ ہی اللہ کے آخری رسولؐ ہیں جن کا ذکر ان کی اپنی کتابوں میں موجود ہے' تکبر غرور اور حسد کی بنا پر آنحضور ﷺ کی حقانیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ اس طرح بنی اسماعیلؑ کو ہم پر یعنی بنی اسرائیل پر برتری

> آج اسلام اور کفر کی کھلی جنگ جاری ہے اور شیطان اپنے ایجنٹوں کو صدر بش کی سرکردگی میں بڑھا چڑھا کر سامنے لا رہا ہے

حاصل ہو جائے گی! اس آیۂ مبارکہ میں ہمارے لئے رہنمائی ہے کہ کسی کو حقیر نہ جانیں اور تکبر سے گریز کریں' ورنہ شیطان کی پیروی کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اس کے بعد شیطان نے ایک اور جملہ کہا۔

''(شیطان نے از راہ طنز) کہا کہ (پروردگار) دیکھ تو سہی (کیا) یہی ہے وہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی تمام اولاد کو چٹ کر جاؤں گا۔'' (آیت: **62**)

کہ اے اللہ! یہ آدم جو تیری تخلیقی قوت کا شاہکار ہے' یہ پستی کا مکین عزیمت واستقامت سے یکسر محروم ہے' میں پوری اولاد آدم کو صراط مستقیم سے برگشتہ کر کے چھوڑوں گا' میرے مکر وفریب کے جال میں گرفتار ہو کر پوری انسانیت راہ حق سے منحرف ہو کر رہے گی۔ گویا اولادِ آدم کے حوالے سے ابلیس کا یہ مستقل چیلنج ہے کہ وہ انہیں راہ حق سے گمراہ کر کے چھوڑے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ آج انسانوں کی اکثریت شیطان کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ ابلیسی نظام نیو ورلڈ آرڈر کی صورت میں پوری دنیا پر مسلط ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کے ماننے والوں کا بھی یہ حال ہے کہ شیطان کے ورغلانے میں آ کر سود کو حلال کئے بیٹھے ہیں۔ بہر حال اللہ نے ہمیں قرآن کے ذریعے خبردار کر رکھا ہے کہ ابلیس کے مقابلے میں چوکس رہیں اور راہ ہدایت پر گامزن رہیں۔ ابلیس کے اس چیلنج کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا' اگلی آیت میں اُسے نقل کیا گیا ہے' فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ٹھیک ہے) نکل یہاں سے' ان میں سے جو شخص بھی تیری پیروی کرے گا' تو ان کی سزا جہنم ہے جو کہ بھرپور بدلہ ہے''۔ (آیت: **63**)

شیطان کی پیروی سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ ہدایت وشریعت سے ہٹ کر جو بھی راہ اختیار کی جائے گی' وہ شیطانی راہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ جو شیطان کے پیچھے چلے گا' اس کے لئے ہم نے جہنم تیار کر رکھی ہے۔

اگلی آیت **64** میں واضح طور پر ابلیس کو کھلی چھوٹ دے دی گئی:

''اور ان میں سے جس کو بہکا سکے' اپنی آواز سے بہکاتا رہ' اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ' اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور اُن سے وعدے کرتا رہ اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ سب دھوکا ہے۔

یہاں شیطان کی ''آواز'' سے ایک تو وسوسہ اندازی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق شیطان کی آواز سے مراد آلات موسیقی سے پیدا ہونے والی

آواز ہے۔ واقعتاً رقص وسرود اور موسیقی انسان کو ایمان سے محروم کرنے اور صراط مستقیم سے بھٹکانے کا ایک ذریعہ ہے۔ احادیث نبوی ﷺ میں بھی ذکر موجود ہے۔ کہ قرب قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ گھر گھر ناچ' گانا اور موسیقی ہوگی۔ گویا شیطان اپنے اُس پرانے ہتھکنڈے کو آج ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت پوری طرح بروئے کار لا چکا ہے۔

بہرحال شیطان کو اس کی یہ خواہش آزمانے کے لئے اللہ نے قیامت تک کے لئے مہلت دے دی کہ تو جس طرح چاہے اپنے ذریت کو مردانِ حق کے خلاف استعمال کر۔

شیطان کے سواروں اور پیادوں سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جو بھی حق کے مخالف ہیں وہ شیطان ہی کے سپاہی ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ آج شیطان کے ان ایجنٹوں کے پاس سائنس اور ٹیکنالوجی کی ساری قوت موجود ہے اور وہ اسی کے ذریعے اہل حق کو کچل دینا چاہتے ہیں۔ آج ''ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا'' بھی حاصل ہے۔ چنانچہ آج اسلام اور کفر کی کھلی جنگ جاری ہے اور شیطان اپنے ایجنٹوں کو امریکی صدر بش کی سرکردگی میں بڑھا چڑھا کر سامنے لا رہا ہے۔ بے شک آج شیطان بہت مضبوط اور طاقتور ہے اور دجالی فتنے کے کامل ظہور تک شیطان کو بہت سی کامیابیاں مزید حاصل ہوں گی' لیکن آخرکار مردانِ حق کی قربانیاں رنگ لائیں گی اور لاریب شیطانی اور دجالی تہذیب کو شکست ہوگی۔ احادیث میں ان سب حالات و واقعات سے پوری طرح آگاہ کر دیا گیا ہے۔

اگلی تشریح طلب بات یہ ہے ''انسانوں کے ساتھ ان کے مال اور اولاد میں بھی شریک ہو جا۔'' اس شراکت اولاد میں ناجائز اولاد بھی شامل ہے جو آج مغرب کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور پھر اولاد کی حرام مال سے پرورش بھی اسی شراکت کی ایک صورت ہے۔ یعنی اپنا پورا زور لگا لے تاکہ تجھے کوئی حسرت نہ رہے۔ مزید فرمایا ''اور ان سے خوب وعدے کر۔'' یعنی ان سے جھوٹے اور پُر فریب وعدے اور مستقبل کے سبز باغ دکھا کر جیسے چاہے انہیں شیشے میں اتار اور انہیں ناشکری اور ضلالت پر آمادہ کر۔ مزید فرمایا: ''شیطان ابن آدمؑ سے جو بھی وعدے کرتا ہے وہ سب جھوٹے ہیں۔'' لہٰذا اس کے کہنے میں مت آؤ۔ مال اور اولاد میں شراکت سے ایک مراد یہ بھی ہے کہ حرام ذرائع آمدنی سے مال کمایا اور حرام راستوں میں خرچ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جس کے معاش میں حرام شامل ہوگا' اس کی کوئی عبادت یا نیکی قبول نہیں ہوسکتی' لہٰذا اگر مال حرام کھانے والا حج اور عمرے کرتا رہے' شیطان کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی کہ یہ قبول تو ہوگا ہی نہیں۔ شیطان کو کھلی چھوٹ دینے کے بعد اگلی آیت 65 میں اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ:

''جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا۔ اور (اے پیغمبر) تمہارا رب تمہارے لئے کافی ہے کام بنانے والا (بطور کارساز)''

اللہ کے بندے وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اللہ ہی پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں۔ یہی ایمان کا حاصل ہے اور آج ایمان کا یہی سب سے بڑا ٹیسٹ ہے کہ قوت و طاقت تو شیطانی قوتوں کے پاس نظر آ رہی ہے' جبکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ قوت و طاقت کے اصل سرچشمے ''اللہ'' پر توکل اور بھروسہ کیا جائے اور شیطانی قوتوں کے آگے گھٹنے نہ ٹیکے جائیں۔ قادر مطلق وہ ہے' مسبب الاسباب وہ ہے۔ جن لوگوں کا بھروسہ اور گہرا ایمان اللہ کی ذات پر ہوگا' ان پر شیطان کا کوئی وار کارگر نہیں ہوگا۔

یہ مضمون یہاں تک مکمل ہوگیا۔ اگرچہ رکوع مکمل نہیں ہوا۔ ان شاء اللہ آئندہ جمعہ اس کا مطالعہ کریں گے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایمان اور توکل کا راستہ اختیار کرنے اور شیطانی ہتھکنڈوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے! (آمین)

بانی تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تصنیفات و تالیفات درج ذیل سیل پوائنٹس پر دستیاب ہیں

(۱) مکتبہ تعمیر انسانیت' غزنی سٹریٹ' اردو بازار لاہور
(۲) ماوراء پبلشرز اینڈ بک سیلرز' مال روڈ لاہور
(۳) لائن آرٹ پریس' مال روڈ لاہور
(۴) سنگ میل پبلشرز اینڈ بک سیلرز' لوئر مال لاہور
(۵) مکتبہ رشیدیہ' لوئر مال لاہور
(۶) اسلامک بک سٹور 260-Y ڈیفنس لاہور
(۷) مقبول اکیڈمی' مال روڈ لاہور
(۸) الفیصل پبلشرز' اردو بازار لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور' فون 5869501-03

رمضان المبارک میں دورہ ترجمہ قرآن کے پروگرام

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام رمضان المبارک میں نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں کی تفصیل آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آگ سے مت کھیلیں

تحریر: مرزا ایوب بیگ

نائن الیون کے نتیجے میں دنیا بدل گئی۔ پاکستان شاید سب سے زیادہ بدلا۔ پاکستان نے افغانستان میں طالبان کی حکومت کے قیام اور اس کے استحکام کے لئے نمایاں رول ادا کیا تھا۔ دنیا بھر میں طالبان کی حکومت کو جن تین ممالک نے تسلیم کیا تھا' ان میں سے ایک پاکستان تھا۔ حکومتی نقطۂ نظر یہ تھا کہ افغانستان میں انتہائی دوست حکومت قائم ہو جانے سے پاکستان کو دفاعی لحاظ سے بہت فائدہ ہوگا۔ اس کی گہرائی بہت زیادہ ہو جائے گی۔ لیکن نائن الیون کے بعد امریکہ سے ایک ٹیلی فون کال موصول ہونے پر مشرف حکومت نے یوٹرن لے لیا۔ طالبان سے دوستی دشمنی میں بدل گئی۔ طالبان کو تباہ و برباد کرنے کے خواہش مند امریکہ کے حوالے اپنے ہوائی اڈے کر دیئے گئے اسے لاجسٹک سپورٹ مہیا کی گئی۔ خفیہ اطلاعات کے تبادلے کا معاہدہ طے پایا۔ یہ سب کچھ تو اعلانیہ کیا گیا۔ خفیہ طور پر کیا کچھ کیا گیا ہوگا' خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہتے ہیں امریکہ سے آنے والی ٹیلی فون کال پر کہا گیا تھا کہ اگر آپ نے افغانستان کے خلاف ہمیں مطلوبہ تعاون فراہم نہ کیا تو ہم آپ کے ملک کو دھات اور پتھر کے زمانے میں بھیج دیں گے یعنی افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان کو بھی ملیامیٹ کر دینے کی دھمکی دی گئی تھی لہٰذا مشرف نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگا کر افغانستان سے دوستی کا رشتہ ختم کر دیا تھا تاکہ پاکستان کو بچایا جا سکے۔ مشرف کا یہ قدم صحیح تھا یا غلط' آج دو سال گزرنے کے باوجود یہ نکتہ زیر بحث ہے۔

راقم کی رائے میں ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ اس معاملے میں آراء اور نقطۂ نظر کی تقسیم اپوزیشن اور پرویز مشرف کے حامیوں کے درمیان نہ تھی یعنی ایسا نہیں ہوا یا بہت کم ہوا کہ جو لوگ مشرف کے پہلے ہی خلاف تھے انہوں نے اس فیصلے کی مخالفت کی ہو' اور جو اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے انہوں نے اس کی حمایت کی ہو' بلکہ یہ تقسیم مذہبی اور سیکولر سوچ رکھنے والوں کے درمیان ہوئی۔ تمام مذہبی عناصر نے اس فیصلے کی شدت سے مخالفت کی اور تقریباً تمام سیکولر عناصر نے اس فیصلے کی حمایت کی۔ حکومت اور اس کے حمایتی دانشوروں کے پاس فیصلے کے حق میں اصل دلیل یہ تھی کہ جب دشمن کے مقابلے میں آپ کے پاس جنگی اور عسکری قوت نہ ہونے کے برابر ہو تو خواہ مخواہ بڑک بازی کر کے تباہی مول لینے کا کیا تک ہے اور امریکہ جواب ''ہاں'' یا ''ناں'' میں چاہتا تھا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا:

"Either you are with us or with terrorists. There is no gray area."

جبکہ اس فیصلے کے خلاف مذہبی جماعتوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ دھمکیوں سے مرعوب کر لینا امریکی چال تھی۔ مشرف اس جال میں پھنس گئے۔ اوّل تو امریکہ کے لئے اتنا آسان نہ تھا کہ وہ دو مسلمان ممالک کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا۔ دوم یہ کہ غیرت وحمیت اور جذبۂ ایمانی کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کو جنگ میں کسی قسم کی مدد دینے سے صاف انکار کر دیا جاتا۔ ٹیپو سلطان کے اس قول کو بار بار دہرایا جا چکا ہے کہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔ بہرحال دنیا کی بڑی جنگی قوتوں نے ایک اتحاد بنایا اور دنیا کے پسماندہ ترین اور جدید ہتھیاروں کے حوالے سے بالکل نہتے ملک افغانستان پر حملہ آور ہوئے۔ تقریباً ایک ماہ تک طالبان آگ اور بارود کی بارش میں ڈٹے رہے۔ پھر اچانک انہوں نے پسپائی اختیار کی اور پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ امریکی فوجیں شمالی اتحاد والوں کی اوٹ میں کابل میں داخل ہوئیں اور ایک من پسند طالبان دشمن پختون کو کابل کے تخت پر بٹھا دیا۔ آج دو سال گزر جانے کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ امریکہ کا کٹھ پتلی حکمران کرزئی کابل کے باہر کوئی کنٹرول نہیں رکھتا۔ افغانستان کے اکثر و بیشتر حصے وار لارڈز کی تصرف میں ہیں جہاں امن وامان عنقا ہو چکا ہے۔ پوست کی کاشت جو طالبان کے عہد میں ختم کر دی گئی تھی دوبارہ شروع ہو چکی ہے۔ اور اغوا برائے تاوان باقاعدہ ایک منظم کاروبار بن چکا ہے۔

امریکہ کی اصل ناکامی یہ ہے کہ طالبان افغانستان میں پھر سر اٹھا رہے ہیں انہوں نے اپنے کام کا آغاز گوریلا جنگ سے کیا ہے۔ اب وہ پانچ اضلاع پر قبضہ کرنے کے دعوے دار ہیں۔ گوریلا کارروائیوں کے ذریعے وہ امریکہ کو مسلسل جانی اور مالی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ امریکہ افغانستان کی چیر پھاڑ کے بعد ایک اور مسلمان ملک عراق پر حملہ آور ہوا تو اسے تہس نہس کیا اور اپنی فوجیں وہاں داخل کر کے قابض ہو گیا' لیکن عراق پر حملہ آور ہونے کے لئے اسے برطانیہ کے سوا کسی کی حمایت حاصل نہ ہو سکی۔ اخلاقی سطح پر امریکہ کی ساکھ متاثر ہوئی اسے جارحیت پسند ملک سمجھا جانے لگا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ عراق میں بھی امریکہ کے خلاف گوریلا جنگ شروع ہو گئی اب امریکہ پکار پکار کر دوسرے ممالک کو عراق میں فوجیں بھیجنے کے لئے کہہ رہا ہے کہ اس کے لئے عراق میں جانی اور مالی نقصان ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔ امریکہ نے عراق پر فتح حاصل کرنے کے بعد شمالی کوریا اور ایران کو اسی انداز میں دھمکانا شروع کیا تھا جیسا کہ اس نے افغانستان اور عراق کی جنگ سے پہلے دھمکایا تھا لیکن عراق میں صورت حال بگڑنے کے بعد امریکہ کو یہ سبق ملا ہے کہ جدید ترین جنگی اسلحہ اور ٹیکنالوجی سے تباہ و برباد تو شاید ساری دنیا کو کیا جا سکتا ہے۔ کنٹرول افغانستان جیسے پسماندہ ملک کو بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ افغانستان اور عراق کی سرزمین کو تو ''فتح'' کرنے میں تو یقیناً کامیاب ہوا لیکن عوام کو مفتوح نہ کر سکا یعنی امن فتح نہ کر سکا۔ اور ان دونوں ممالک کو فتح کرنے کے باوجود وہ وہاں ایک دن کے لئے بھی سکھ کا سانس نہ لے سکا۔

اب تک کی ساری گفتگو بڑی عجیب اور بے مقصد نظر آتی ہے لیکن راقم کا یہ ساری تفصیل بیان کرنے کا حقیقی مقصد یہ تھا کہ اگر صدر مشرف نے نائن الیون کے بعد امریکہ کا اتحادی بننے اور افغانستان کے حوالے سے یوٹرن لینے کا فیصلہ اس لئے کیا تھا کہ وقت اور ماحول کا تقاضا یہ تھا کہ امریکہ کی اندھی قوت کے سامنے سے وقتی طور پر ہٹ جانا چاہئے کیونکہ نائن الیون کی وجہ سے ساری دنیا اس کی پشت پر تھی اور اسے اندھا دھند قوت کے استعمال کا جواز مہیا ہو گیا تھا۔ بھارت اور اسرائیل اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کا کانٹا نکالنا چاہتے تھے لہٰذا ایک قوم پرست صدر کو جو افواجِ پاکستان کا سپہ سالار بھی تھا یوٹرن لینے کا ناگوار فیصلہ کرنا پڑ گیا۔ اگر یہ درست ہے تو اب جب دو سال میں حالات بالکل بدل گئے ہیں امریکہ فرانس اور جرمنی جیسے اتحادی کھو چکا ہے۔ یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ قوت کے بل پر دشمن کا ملک تباہ و برباد کیا جا سکتا ہے' فتح بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن امن و امان اور نظم و نسق قائم کرنا قیامت ہے۔ گوریلا جنگ اور خودکش حملے جان کے عذاب بن جاتے ہیں عراق کی جنگ کے بعد جس قدر مالی اخراجات ہو رہے ہیں وہ امریکہ میں طوفان کھڑا کر رہے ہیں۔ ان حالات میں اب امریکہ کے لئے آسان نہیں ہے

کہ وہ اچانک اٹھ کر کسی تیسرے ملک پر بھی حملہ آور ہو جائے اب صرف مشرق وسطیٰ جنگ کا میدان بنتا نظر آ رہا ہے۔ اس کے لئے بھی خود اسرائیل کو سامنے آنا پڑے گا امریکی کندھا استعمال کرنا اب آسان نہیں ہوگا۔ اس پس منظر میں جنوبی وزیرستان اور دوسرے قبائلی علاقوں میں افواج پاکستان کو آپریشن کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہو رہی ہے؟۔ اس وقت قطعی طور پر کوئی امکان نہیں کہ ہم سے کوئی ''ہاں'' یا ''ناں'' میں جواب مانگے پھر پاکستانی فوج کے جوانوں کو یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے کہ وہ کافر امریکیوں سے برسرپیکار' مسلمانوں کا خون بہائیں۔ اب پاکستان بچانے کا سوال نہیں۔ تو پھر یقیناً اپنے اقتدار کے لئے امریکی چھتری حاصل کرنا مقصود ہے۔ صدر مشرف کو یقیناً علم ہوگا کہ صدر ایوب خان' ضیاء الحق' بے نظیر بھٹو اور نواز شریف نے اقتدار کی طوالت کے لئے امریکہ کے لئے کیا کچھ نہ کیا لیکن امریکہ جب ہمارے کسی حاکم سے مطلب نکال لیتا ہے تو پھر اس کی پشت سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ اس وقت امریکہ کو افغانستان اور عراق دونوں ممالک میں پاکستان کا تعاون درکار ہے۔ افغانستان میں جو صورت حال پیدا ہوگئی ہے پاکستان کے بغیر امریکہ کا وہاں اپنے دشمنوں کو کچلنا ممکن ہی نہیں۔ عراق میں بھی پاکستانی فوجی درکار ہیں جو ہدف کے حصول کے لئے جان پر کھیل جانا جانتے ہیں۔ دوسری طرف امریکہ اسرائیل اور بھارت سٹرٹیجک پارٹنرز بن گئے ہیں۔ وہ امت مسلمہ کو اپنا مشترکہ دشمن سمجھتے ہیں۔ ایسے میں امریکہ کی دوستی کا دم بھرنا اور اس کا اتحادی بننا آگ سے کھیلنا ہے۔ جنرل صاحب! آج دنیا میں نئی صف بندی ہو رہی ہے۔ اس میں اپنی صحیح جگہ تلاش کریں۔ آپ کی پاکستانیت اور حب الوطنی شک و شبہ سے بالاتر ہے' لیکن اقتدار اور حاکمیت کا چسکا بہت بُرا ہوتا ہے اور یہی ہوس جب انسان پر غالب آ جاتی ہے تو وہ عملیت پسندی اور مصلحت کوشی کی آڑ میں غلط سمت میں رواں دواں ہو جاتا ہے جو بالآخر دنیا و آخرت میں خسارے کا باعث بنتی ہے۔ حق و باطل کی کشمکش میں حق کا ساتھ دیں۔ اللہ پر بھروسہ کریں۔ اس آسمان نے وقت کے کئی فرعونوں اور ہامانوں کو ڈوبتے اور غرق ہوتے دیکھا ہے۔ امریکہ قوت اور ترقی کی جس چوٹی پر پہنچ چکا ہے' اس کے آگے ڈھلوان ہے۔ امت مسلمہ کے مقابلے میں امریکہ کا ساتھ دے کر آگ سے مت کھیلیں۔

اصحاب الاخدود

خد عربی میں گڑھے' کھائی یا خندق کو کہتے ہیں۔ اس قرآنی واقعہ میں امراء اور سرداروں نے اہل ایمان کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں پھینک پھینک کر جلایا تھا اس لئے انہیں اصحاب الاخدود کہا گیا۔ تیسویں پارے میں سورہ بروج میں یہ واقعہ یوں بیان ہوا ہے:

''قسم ہے مضبوط برجوں والے آسمان کی اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے' حاضر ہونے والے اور حاضر کئے گئے کی قسم' گڑھے والے (اس گڑھے والے) جس میں خوب بھڑکتے ہوئے ایندھن کی آگ تھی' جبکہ وہ اس گڑھے کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ وہ ایمان لانے والوں کے ساتھ کر رہے تھے' اسے دیکھ رہے تھے اور ان اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کچھ اور نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے' جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے اور وہ خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں پر ظلم و ستم توڑا اور پھر اس سے تائب نہ ہوئے' یقیناً ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلائے جانے کی سزا ہے.....''

یہ واقعہ سیرۃ محمد بن اسحاق میں محمد بن کعب سے روایت کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یمن کے شہر نجران کے باشندے بت پرستی اور شرک میں مبتلا تھے۔ قریب کی آبادی میں ایک جادوگر مقیم تھا جو نجران کے لڑکوں کو سحر کی تعلیم دیا کرتا۔ کچھ عرصہ بعد اسی علاقے میں ایک زاہد و مجاہد اور صاحب کشف و کرامت عیسائی سیاح' فیمیون آ کر رہنے لگا۔ نجران کے جو لڑکے جادوگر سے سحر کی تعلیم حاصل کرتے ان میں ایک لڑکا عبداللہ بن تامر بھی تھا۔ ایک روز وہ عیسائی راہب کے خیمے میں چلا گیا جو عبادت میں مشغول تھا۔ عبداللہ کو راہب کا طریقہ پسند آیا۔ وہ اس کے پاس آنے جانے لگا اور اس سے اس کا دین سیکھنے لگا۔

راہب سے سچی مسیحیت کی تعلیم حاصل کر کے وہ عالم دین بن گیا اور خود بھی تبلیغ شروع کر دی۔ وہ لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دیتا۔ اس کی دعا سے مریض بھلے چنگے ہو جاتے۔ نجران کے والی کو اس کی خبر ملی تو اس نے لڑکے کو بلایا اور کہا ''تو نے میری مملکت میں فساد مچایا اور میرے باپ دادا کے دین کی مخالفت کی لہٰذا اب تیری سزا یہ ہے کہ تجھے قتل کر دیا جائے۔''

لڑکا کہنے لگا ''میرا قتل تیری قدرت سے باہر ہے۔''

اس پر والی نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی سے گرا دو۔ سرکاری اہل کاروں نے حکم کی تعمیل کی لیکن قدرت الٰہی نے اسے صحیح سالم رکھا۔ والی نے جھلا کر حکم دیا' اسے دریا میں لے جا کر غرق کر دو لیکن دریا بھی لڑکے کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا۔ تب لڑکے نے والی سے کہا ''اگر تو مجھے واقعی قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ تو خدائے واحد کا نام لے کر مجھ پر حملہ کر۔'' والی نے خدائے واحد کا نام لے کر لڑکے پر حملہ کیا تو لڑکا جاں بحق ہو گیا مگر ساتھ ہی عذاب الٰہی نے اسے بھی اسی جگہ ہلاک کر دیا۔

نجران میں عیسائیت کی ترویج اور لڑکے اور والی کی ہلاکت کے واقعہ کی خبر یمن کے بادشاہ ذونواس تک پہنچی تو وہ سخت آگ بگولا ہوا۔ مذہباً وہ یہودی تھا اور عیسائیت اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ ایک لشکر جرار لے کر نجران پہنچا اور شہر میں منادی کرا دی کہ کوئی شہری عیسائی نہ رہے یا تو ہر شخص یہودیت قبول کرے ورنہ مرنے کے لئے تیار ہو جائے مگر اہل نجران کے دلوں میں اللہ پاک کا دین اس درجہ گھر کر چکا تھا کہ انہوں نے مر جانا قبول کیا مگر اپنے مذہب سے پھر جانا گوارا نہ کیا۔ (اس زمانے میں عیسائیت میں وہ زبردست تحریف نہیں ہوئی تھی جو بعد کو ہوئی) ذونواس نے یہ دیکھا تو غیظ و غضب کے عالم میں حکم دیا کہ شہر کی گلیوں اور شاہراہوں کے کنارے خندقیں' اور کھائیاں کھودی جائیں اور ان میں آگ دہکائی جائے۔ جب لشکریوں نے تعمیل کی' تو اس نے شہریوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ جو شخص یہودیت قبول کرنے سے انکار کرے' مرد ہو' عورت ہو یا بچہ' اسے زندہ آگ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق بیس ہزار کے قریب اہل ایمان کو جام شہادت پینا پڑا۔

حدیث کی کتب مثلاً مسلم' نسائی' ترمذی اور مسند احمد میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے اسی طرح کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ اس جاں گسل اور ہولناک نظارے کو بادشاہ اور اس کے مصاحبین مسرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ ایک عورت لائی گئی جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا۔ عورت بچے کی محبت میں جھجکی تو بچے نے فوراً کہا' ماں! ہمت سے کام لے اور بے خوف خندق میں کود جا' اس لئے کہ بلاشبہ تو حق پر ہے اور یہ ظالم باطل پر ہیں۔''

نجران کے واقعے میں ایک شخص دوس ذوثعلبان کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلا اور شام میں مقیم قیصر روم کے دربار پہنچ کر نجران کے حادثے کی ہوش ربا داستان سنائی۔ قیصر نے فوراً حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو خط لکھا کہ وہ اس ظلم کا انتقام لے۔ حبشہ کی ستر ہزار فوج ارباط نامی سپہ سالار کی قیادت میں یمن پر حملہ آور ہوئی۔ ذونواس مارا گیا یہودی حکومت کا خاتمہ ہوا اور یمن حبشہ کی عیسائی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔

موجودہ دنیائے اسلام کی معیشت و تعلیم

عالمی بینک کی ایک تازہ رپورٹ کی روشنی میں

❀ عیسائی سوسائٹی بہ اعتبار خواندگی دنیا میں پہلے نمبر پر ہے یعنی وہاں خواندگی (Literacy) نوے فیصد سے زیادہ ہے اور تقریباً پندرہ ممالک تو ایسے ہیں جہاں خواندگی سو فیصد ہے جب کہ مسلم دنیا میں خواندگی کا اوسط پچاس فیصد ہے اور ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے جہاں خواندگی سو فیصد ہو۔ خواندہ آبادی میں ایسے افراد جنہوں نے اسکول کالج کی تعلیم حاصل نہیں کی ہے ان کا فیصد عیسائی دنیا میں دو ہے جبکہ مسلم دنیا میں پچاس فیصد خواندہ لوگوں نے اسکول کا رخ تک نہیں کیا ہے۔ عیسائی دنیا میں خواندگی کے معنی کم از کم پرائمری سطح کی تعلیم کا حصول ہے جبکہ اسلامی ممالک میں ہر وہ شخص جو لکھنا پڑھنا جانتا ہے' خواندہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ اگر خواندگی کے عیسائی معیار کو ملحوظ رکھا جائے تو پتا چلے گا کہ درحقیقت عیسائی سماج میں خواندگی نوے فیصد ہے اور مسلم معاشرہ میں بمشکل دس فیصد۔

عیسائی سماج میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عیسائی اکثریت کے ممالک میں نوے فیصد خواندہ لوگ سیکنڈری سطح کی تعلیم ضرور حاصل کرتے ہیں اور پندرہ فیصد سے چالیس فیصد لوگ اعلیٰ تعلیم پاتے ہیں۔ برخلاف اس کے مسلم سماج میں اعلیٰ تعلیم دو سے سات فیصد خواندہ لوگوں تک محدود ہے۔ اعلیٰ تعلیم کا معیار بھی مسلم ملکوں میں بہت کم ہے۔ اچھے معیاری تعلیم کے لئے مسلمان عیسائی ملکوں کا رخ کرتے ہیں اور وہاں تعلیم کے حصول کے لئے کثیر رقم خرچ کرتے ہیں۔ یہ صورت حال اس دور سے مختلف ہے جب عہد وسطیٰ میں یورپ کے عیسائی' اسلامی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنا قابل فخر سمجھتے تھے اور حصول علم کے لئے اسلامی اسپین کا رخ کرتے تھے۔

تعلیم اور علم کا رشتہ معاشی ترقی سے براہ راست جڑا ہوتا ہے' لہٰذا معاشی اعتبار سے مسلم دنیا میں غربت و افلاس کی حالت نہایت افسوس ناک ہے۔ سروے کے مطابق 130 کروڑ مسلم آبادی کے نصف حصہ میں (جو بہت غریب ممالک کہلاتے ہیں) فی کس اوسط قومی آمدنی 1980ء میں تقریباً 200 ڈالر سالانہ تھی جبکہ نسبتاً امیر مسلم ممالک میں یہ اوسط ایک ہزار ڈالر تھی۔ اس کے مقابلے میں عیسائی دنیا (کل آبادی 230 کروڑ) کی آدھے سے زیادہ آبادی (یورپ سمیت) کی اوسط آمدنی سات ہزار ڈالر تھی اور باقی کی تین ہزار ڈالر۔ 1980ء کے بعد معاشی ترقی ساری دنیا میں تیزی سے بڑھی ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (UNDP) کی 1996ء کی رپورٹ کے مطابق یورپ میں تو یہ بڑھ کر اوسطاً 25 ہزار ڈالر ہوگئی ہے اور بقیہ عیسائی سماج میں 10 ہزار ڈالر جبکہ غریب مسلم ممالک میں 200 سے بڑھ کر صرف 380 ڈالر اور امیر ممالک میں ایک ہزار سے دو ہزار ڈالر ہوئی ہے۔ مسلم دنیا میں اگر پٹرول پیدا کرنے والے پانچ ''اوپیک'' ممالک نہ ہوتے تو نہ جانے مالی اعتبار سے مسلم دنیا کا کتنا برا حال ہوتا۔ واضح رہے کہ تیل اور گیس کے 1998ء کے سروے کے مطابق دنیا میں تیل پیدا کرنے والے کل 18 اہم ممالک ہیں جن میں 10 اسلامی مملکتیں ہیں اور باقی 8 غیر اسلامی (چین اور روس سمیت)۔ اسلامی ممالک 25 بلین بیرل تیل ہر سال پیدا کرتے ہیں۔ یہ کل پیداوار کا تقریباً 40 فیصد ہے۔ قدرت کے اس عظیم عطیہ اور نعمت کے باوجود مسلم دنیا عیسائی دنیا کے مقابلے میں معاشی اعتبار سے کچھ بھی نہیں۔

اعداد و شمار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک 1980ء کے بعد اپنی آمدنی بڑھانے میں کامیاب نہ ہو سکے جس کی اصل وجہ آپس کی جنگیں اور رقابتیں تھیں۔ برخلاف اس کے یورپی ملکوں کی فی کس آمدنی بہت تیزی سے بڑھی۔ مثال کے طور پر سعودی عرب کی فی کس آمدنی 1980ء میں 690 ڈالر سالانہ تھی جو 1996ء میں 7040 ڈالر ہوگئی۔ ایران' عراق' لیبیا کی آمدنی ان 16 برسوں میں کم ہوئی۔ جب کہ جرمنی کی آمدنی 9580 ڈالر (1980ء) بڑھ کر 28870 ڈالر (1996ء) ہوگئی۔ اسی طرح برطانیہ' فرانس' آسٹریلیا وغیرہ کی معاشی حالت تین گنا بہتر ہوگئی۔ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک کو کسی اقبال کی ضرورت ہے جو ان کو بتا سکے کہ ''نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے''۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد مسلم اور عیسائی ملکوں کے درمیان کوئی بھی قابل ذکر جنگی معرکہ نہیں ہوا ہے حالانکہ خود مسلم ملکوں کے درمیان خونریز جنگیں ضرور ہوئی ہیں' جس میں تقریباً پندرہ لاکھ مسلمان سپاہی مارے گئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلم ممالک جو جنگی ساز و سامان خریدتے ہیں انہیں زیادہ تر ایک مسلم ملک دوسرے مسلم ملک سے حفاظت کے طور پر استعمال میں لانے کے لئے خریدتا ہے نہ کہ غیر مسلم سے معرکہ آرائی کے لئے۔

مسلم ممالک کی جنگی تیاریوں میں ہر ملک اپنی قومی آمدنی کا دس سے تیس فیصد خرچ کرتا ہے۔ یہ دولت عیسائی ملکوں کو ہتھیار خریدنے کے لئے منتقل ہوجاتی ہے جبکہ عیسائی ممالک اپنی قومی آمدنی کا تین سے گیارہ فیصد حصہ فوج پر خرچ کرتے ہیں اور ہتھیاروں کی خرید و فروخت آپس ہی میں کرتے ہیں۔ اس دولت کا کوئی بھی قابل ذکر حصہ مسلم دنیا میں نہیں آتا ہے۔

رپورٹ میں مسلم معاشرہ کی بدحالی کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ خواندگی کے سلسلہ میں مسلم دنیا میں خواتین کی تعلیم پر کئی برسوں سے توجہ نہیں دی گئی ہے۔ چنانچہ عام طور پر سے مسلم معاشرے میں مردوں اور عورتوں میں خواندگی کا فرق دس سے چالیس فیصد تک ہے جبکہ عیسائی معاشرہ میں فرق صرف دو سے پانچ فیصد کے درمیان ہے۔ پسماندگی کی ایک وجہ مسلم ممالک میں زراعت میں زیادہ تر آبادی کا مشغول ہونا اور صنعت کی طرف توجہ کم کرنا ہے۔ سروے کے مطابق مسلم معاشرہ میں پچاس سے ستر فیصد تک آبادی کھیتی باڑی میں اپنی زندگی گزار دیتی ہے اور صنعت و حرفت میں تقریباً 7 سے 16 فیصد لوگ لگے رہتے ہیں۔ عیسائی معاشرہ میں صورت حال بالکل مختلف ہے یعنی کل 6 فیصد لوگ کھیتی میں مصروف رہتے ہیں' اور تقریباً 60 فیصد صنعتوں میں کام کرتے ہیں۔

معلومات عامہ میں اسلامی دنیا عیسائی دنیا سے بہت پیچھے ہے' مصر جیسے نسبتاً زیادہ تعلیم یافتہ مسلم ملک میں کل ایک ہزار آبادی کے لئے اخبارات کی 21 کاپیاں چھپتی ہیں جبکہ مغربی ممالک میں اوسطاً تین سو کاپیاں ایک ہزار افراد کے لئے شائع ہوتی ہیں۔

عمروں کا اوسط عیسائی دنیا میں 75 سال ہے اور مسلم دنیا میں یہ اوسط 60 سے کم ہے۔

[مذکورہ رپورٹ ماہنامہ ''میناریٹ'' کراچی کے شمارہ ستمبر 2003ء میں شائع ہوئی ہے۔ جس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ کرتے وقت رپورٹ مرتب کرنے والوں کا تعصب بھی جھلکتا ہے اس کے باوجود پسماندگی کی وجوہ اور حقائق سے انکار مشکل نہیں۔ ''ادارہ'']

شاہ ولی اللہ کی تحریک ایک نئے دور میں

شاہ ولی اللہ نے جو اس فکری تحریک کے امام تصور کئے جاتے ہیں، عملی طور پر اس فکر کی بنیاد پر کوئی تحریک منظم نہیں کی تھی۔ وہ صرف درس و تصنیف پر قانع رہے اور عملی طور پر حالات کے سدھار کے لئے کسی صاحبِ شمشیر کی طرف دیکھتے رہے۔ ان کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے یہ توقع کرتے رہے کہ شاید کسی صاحبِ شمشیر کی شمشیر صورتِ حال کو تبدیل کرنے کا موجب بنے اور وہی شمشیر سیاسی اور سماجی انقلاب اور تبدیلیوں کی بنیاد رکھے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے شاہ ولی اللہ نے اپنا زورِ قلم استعمال کیا۔ کبھی احمد شاہ ابدالی کی توجہ اس افراتفری کی جانب مبذول کرائی تو کبھی نجیب الدولہ اور آصف الدولہ کی شخصیتوں پر تکیہ کیا، اور ان کی نوکِ شمشیر سے امیدیں وابستہ کیں۔ تحریک کا یہ انداز ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ تک جاری رہا۔

❁ مورخین کا ایک گروہ ہے جو اس بات پر مصر ہے کہ سرحد کا علاقہ صرف اس لئے منتخب کیا گیا کہ ان کو سکھوں سے لڑنا مقصود تھا ورانگریزوں کے خلاف جہاد اس تحریک کے مقاصد میں سرے سے شامل ہی نہ تھا۔ لیکن اب ایسے مورخوں کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا کیونکہ مولانا غلام رسول مہر، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد میاں دہلوی، اور تو اور خود مغربی مورخوں نے اس توجیہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ دراصل مورخین کا یہ گروہ جو اس تحریک جہاد کو صرف سکھوں کی مخالف تحریک ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہا تھا، وہ اصل میں انگریزوں کے غیظ و غضب کو ہلکا کرنے کے لئے یہ توجیہ کرر ہا تھا۔

برطانوی مورخوں کی رائے:

سید احمد کی تحریک جہاد کے بارے میں سب سے پہلے اگر کسی مغربی مورخ نے قلم اٹھایا ہے اور اس کو انگریز دشمن تحریک تسلیم کیا ہے تو وہ ولیم ہنٹر ہے۔ اس نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مسلمان'' میں اس تحریک پر کافی شرح و بسط کے ساتھ رائے زنی کی ہے۔ گو بہت سے مصنف اس کتاب پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن ولیم ہنٹر کے اپنے مخصوص معتقدات سے قطع نظر، اس نے اس تحریک کے بعض بہت ہی اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور اہم تفصیلات سے یہ ثابت کیا ہے کہ سید احمدؒ کی ''تحریک جہاد'' و برطانوی حکومت کے خلاف بھی تھی۔ ولیم ہنٹر اپنی کتاب کے ابتدائی صفحات ہی میں لکھتا ہے:

''میں ان واقعات کا، جن کی وجہ سے ہماری سرحد پر باغیوں کی نو آبادی قائم ہوئی اور ان خوفناک نقصانات میں سے بعض کو بھی، جو اس کی وجہ سے سلطنت برطانیہ کو برداشت کرنا پڑے، قارئین کے سامنے مجملاً بیان کروں گا۔ دوسرے باب میں باغیوں کی اس تنظیم کا ذکر کروں گا جس کے ذریعے سے باغی کیمپ نے ہماری سلطنت کے اندرونی اضلاع سے آدمی اور روپیہ مسلسل طور پر حاصل کیا۔ پھر میں ان شرعی مباحث کی تفصیل بیان کروں گا جن کی بنا پر تشویش ناک حالات رونما ہوئے۔ یہ وہ مباحث تھے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا عام طبقہ کس پُر جوش طریقے پر اور باغی پیشواؤں کی زہر آلود تعلیم سے متاثر ہو رہا ہے اور اس طرح مسلمانوں کا ایک طبقہ جو تعداد میں بہت ہی کم ہے، فرض جہاد سے سبکدوشی حاصل کرنے کے لئے شریعت مقدسہ میں عجیب و غریب تاویلیں پیش کر رہا ہے۔ لیکن اگر میں اسی پر بس کردوں تو سمجھ لیں کہ میں نے پوری بات بیان نہیں کی۔ مسلمانانِ ہندوستان اب بھی اور اس سے بہت عرصہ پہلے بھی ہندوستان کی انگریزی حکومت کے لئے ایک مستقل خطرے کی حیثیت رکھتے تھے۔ کسی نہ کسی وجہ سے وہ ہمارے طور طریقوں سے بالکل الگ تھلگ ہیں اور ان تمام تبدیلیوں کو، جن میں زمانہ ساز ہندو بڑی خوشی سے حصہ لے رہا ہے، اپنے لئے بہت بڑی قومی بے عزتی تصور کرتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ چوتھے باب میں مسلمانوں کی ان شکایات کو جو انہیں انگریزی عہد حکومت میں پیدا ہوئیں، معلوم کروں اور اُن کی واقعی شکایات کو بیان کروں۔''

ولیم ہنٹر اپنی داستان جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے:

''سرحد پر باغی کیمپ کے بانی مبانی سید احمد تھے۔ وہ ان بے باک اور باہمت نوجوانوں میں سے تھے جو نصف صدی قبل پنڈاری قوت کے استیصال کے لئے تمام ہندوستان میں بکھر گئے تھے۔ سید احمد نے اپنی زندگی اس مشہور لٹیرے (امیر خان والی ٹونک کی طرف اشارہ ہے) کی فوج میں ایک سوار کی حیثیت سے شروع کی تھی، جس نے مالوے کے افیون پیدا کرنے والے دیہات کو تاخت و تاراج کیا تھا۔ مگر رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی قوت نے جس سختی کے ساتھ اپنے مسلمان ہمسایوں کو دبائے رکھا، اس سے مسلمان لٹیروں کا کام بہت ہی خطرناک اور غیر منفعت بخش ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مہاراجا ندکور کے ہندوانہ مذہبی تعصبی نے شمالی ہندوستان کے جوش و خروش کو اور بھی بھڑکا دیا۔ سید احمد نے نہایت دانشمندی سے اپنے آپ کو زمانے کے مطابق بدل دیا۔''

غرضیکہ ولیم ہنٹر نے اسی انداز سے تحریک جہاد کی داستان بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اس تحریک کا مقصد برطانوی حکومت کا تختہ الٹنا بھی تھا۔ یہ کتاب 1873ء میں شائع ہوئی تھی جو برصغیر میں بڑے کرب کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کا ایک طبقہ ہراساں اور خوف زدہ ہو رہا تھا۔ لیکن اس تحریک سے متعلق مسلمان اب بھی ہندوستان کے اندر اپنی تحریک کو کسی نہ کسی طرح سے زندہ رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے خلاف بھی داروگیر کا سلسلہ جاری تھا، مقدمات قائم ہو رہے تھے، ہندوستان کے گوشے گوشے سے مسلمان علماء اور صاحب ثروت لوگوں کو پابند سلاسل کیا جا رہا تھا، سزائیں دی جا رہی تھیں۔ اس ماحول میں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ جہاد کے مسلک کو خیر باد کہہ رہا تھا۔ وہ برطانوی حکومت کو ایک مسلمہ حقیقت تسلیم کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ وہ مسلمانوں کی سیاست کے بدلے ہوئے حالات کی روشنی میں جائزہ لے رہا تھا۔ وہ اسی طرزِ فکر کا حامی تھا۔ اسی گروہ نے برطانوی حکام کے غیظ و غضب کو کم کرنے کے لئے اس تحریک کے انگریز دشمن پہلو کو کم کرنے کی کوشش کی اور سکھوں کے خلاف پہلو کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا۔ اس میں ایک طرف تو یہ گروہ تھا، دوسری طرف وہ گروہ بھی تھا۔ جو اُن مقدمات سازش میں ماخوذ تھا اور اس کے بدلے میں چاہتا تھا کہ اب حکام کا غیظ و غضب ان کی طرف اور زیادہ شدت کے ساتھ مبذول نہ ہو۔ چنانچہ ان ہی دو گروہوں نے اس تحریک کے متعلق توجیہات پیش کیں اور سچ یہ ہے کہ بہت دنوں تک یہی توجیہات رواج پا گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد کے دنوں میں ان توجیہات کی بنا پر ان تحریکوں کو اہمیت دینی ہی چھوڑ دی گئی۔

سرسید احمد خان اور مولانا جعفر تھانیسری کی توجیہ:

تحریک جہاد کے متعلق سب سے پہلے جس مورخ نے مختلف توجیہ کی، وہ سرسید احمد خان تھے۔ چنانچہ انہوں نے

اس تحریک کے بارے میں انگریزوں کے غم وغصہ کو کم کرنے کے لئے جو مختلف تاویلات کی ہیں' ان کے متعلق مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

''جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں' سب سے پہلے سر سید احمد خان مرحوم نے سید صاحب کے جہاد کا رُخ انگریزوں سے ہٹا کر سکھوں کی طرف پھیرا۔ ولیم ہنٹر کی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' چھپی تھی تو سر سید نے اس کی تہمت طرازیوں کے جواب میں ایک سلسلۂ مضامین پایونیئر (Pioneer) میں چھپوایا دیا تھا جو بعد میں الگ بھی چھپ گیا تھا۔ ان جوابی مضامین میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ سید احمد صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے اور انگریزوں کے ساتھ جنگ سے اظہار برأت کر دیا تھا۔ سر سید سے زیادہ اس سلسلے میں جس شخص نے توجیہات کی ہیں' وہ مولانا محمد جعفر تھانیسری ہیں۔ مولانا محمد جعفر نے سید احمد کی سوانح بھی لکھی ہے۔ اس میں اسی مؤقف کو بار بار پیش کیا کہ سید احمد صرف سکھوں سے لڑنا اور جہاد کرنا چاہتے تھے' انگریزوں سے جہاد ان کے مقاصد میں شامل ہی نہ تھا۔ مولانا جعفر نے اس سلسلے میں کئی ایک بیانات بھی سید احمد اور شاہ اسماعیل سے منسوب کر کے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔

اب چونکہ مولانا محمد جعفر اس تحریک سے متعلق رہے ہیں اور انہوں نے اسی بنا پر قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کی ہیں' اس لئے لوگوں نے ان کی باتوں پر یقین کر لیا اور اس طرح سے ایک تحریک کا اصل کردار یا جاندار کردار لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ چنانچہ مولانا جعفر نے اپنی کتاب ''تواریخ عجیبہ'' میں جو بیان شاہ اسماعیل سے منسوب کیا ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب سید احمد شہید حج پر جا رہے تھے تو کلکتہ میں ایک روز شاہ اسماعیل شہید نے وعظ کہتے ہوئے جہاد کا ذکر کیا۔ ایک شخص نے بر سر مجلس پوچھا کہ سرکار انگریزی کے خلاف جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ تو شاہ اسماعیل نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ''ایسی بے ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے۔ اس وقت پنجاب کے سکھوں کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ان پر جہاد کیا جائے۔''

مولانا جعفر ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:

''یہ بھی ایک صحیح روایت ہے کہ جب سید احمد سکھوں کے خلاف جہاد کو تشریف لے جاتے تھے تو کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کیوں جاتے ہو؟ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں' دین اسلام سے منکر ہیں' گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو' یہاں لاکھوں آدمی آپ کے شریک اور مددگار ہو جائیں گے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔ سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادرانِ اسلام پر ظلم کرتے ہیں اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ ہمارے غلبے کے بعد ان مستوجب جہاد حرکات سے باز آ جائیں گے تو ہم کو ان سے بھی لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے' مگر مسلمانوں پر کوئی ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو عبادات لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ملک میں اعلانیہ وعظ کہتے ہیں اور ترویج مذہب کرتے ہیں' وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتے بلکہ ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام اشاعتِ توحیدِ الٰہی ہے اور احیائے سنت ہے جو ہم بلا روک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں؟''

مولانا جعفر تھانیسری نے اپنی کتاب میں سید احمد شہید کے نام سے بیان منسوب کیا ہے' اُس نے اس پوری تحریک کے کردار کو کس قدر ملوث کر چھوڑا ہے۔ اب اس بیان کے پیچھے کتنی سچائی تھی یا وقت کے بعض مصالح تھے' جن کی وجہ سے سر سید احمد خان اور مولانا جعفر اور دوسرے گروہوں کو شد و مد سے یہ کہنا پڑا کہ سید احمد انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

تحریکوں کی ظاہری شکل و صورت کیسی ہی ہو' ان کے نعرے کچھ ہی ہوں' ان کے مقاصد کا اظہار کیسی ہی زبان میں ہو' لیکن تحریکوں کے تجزیے کی بنیاد ظاہری شکل و صورت' نعرے اور مقاصد کے علاوہ بعض دوسرے عوامل بھی بنتے ہیں۔ اس لئے عام طور پر اس تحریک جہاد کو صحیح صورت حال میں نہیں پرکھا جاتا۔ اس کی ظاہری شکل و صورت خالصتاً ایک دینی تحریک کی تھی' اس کے مقاصد ایک مذہبی فریضے کی حدود تک محدود تھے۔ اس کے نعرے ایک مخصوص ملت کے لئے تھے' لیکن اس کے باوجود اس کے اثرات پورے برصغیر پر پڑے اور اس تحریک نے مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کو بھی ایک دوسرے رنگ میں متاثر کیا۔ باقی اس تحریک کے نتائج مسلمانوں' ہندوؤں اور اس وقت کے ہندوستان کے لئے سود مند ثابت ہوئے یا مضرت رساں؟ اس کے متعلق بحث کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس تحریک کے نئے طریق کار کے متعلق سوچا جائے اور یہ یقین کیا جائے کہ نئے طریق کار کے پیچھے کیا مقاصد کارفرما تھے۔ اس تحریک کا تجزیہ دو بنیادوں پر کیا جاتا ہے: ایک بنیاد تو ان مؤرخوں اور تجزیہ نگاروں کی ہے جو سید احمد کی تحریک کو ایک آزاد اور خود مختار دینی تحریک تصور کرتے ہیں۔ یہ تجزیہ نگار اور مؤرخ سید احمد کی ذات میں ایک امام اور بعض وقت مہدی تک کو دیکھتے ہیں جو اس دینی فریضے کی ادائیگی کے لئے مامور کئے گئے۔ لیکن جو تجزیہ نگار ان کو مہدی کا رتبہ نہیں بھی دیتے' وہ بھی اس تحریک کو ایک خود مختار اور آزاد تحریک تسلیم کرتے ہیں اور اس کے پیچھے خالصتاً دینی جذبے کو کارفرما دیکھتے ہیں۔ لیکن ایک اور مکتب خیال بھی موجود ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ ایک آزاد اور خود مختار تحریک نہ تھی بلکہ ایک مسلسل تحریک کا حصہ تھی۔ یہ درست ہے کہ سید احمد نے جب اس تحریک کی قیادت سنبھالی تو حالات ایک موڑ پر پہنچ چکے تھے اور نئے طریق کار اپنانے کی شدید ضرورت تھی۔ سید احمد کی عظمت یہی ہے کہ تاریخ کے اس موڑ پر انہوں نے ایک نیا طریق کار اپنایا۔ اس فکری تحریک کو مقاصد کے حصول کے لئے ایک باقاعدہ تنظیم کی شکل دی' حصول مقاصد کے لئے ہتھیار استعمال کرنے اور جہاد کا اعلان فرمایا۔

مختلف طریق کار

شاہ ولی اللہ نے جو اس فکری تحریک کے امام تصور کئے جاتے ہیں' عملی طور پر اس فکر کی بنیاد پر کوئی تحریک منظم نہیں کی تھی۔ وہ صرف درس و تصنیف پر قانع رہے اور عملی طور پر حالات سدھارنے کے لئے کسی صاحب شمشیر کی طرف دیکھتے رہے۔ ان کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے یہ توقع کرتے رہے کہ شاید کسی صاحب شمشیر کی شمشیر صورتِ حال کو تبدیل کرنے کا موجب بنے اور وہی شمشیر سیاسی و سماجی انقلاب اور تبدیلیوں کی بنیاد رکھے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے شاہ ولی اللہ نے اپنا زورِ قلم استعمال کیا۔ کبھی احمد شاہ ابدالی کی توجہ اس افراتفری کی جانب مبذول کرائی تو کبھی نجیب الدولہ اور آصف الدولہ کی شخصیتوں پر تکیہ کیا' اور ان کی نوکِ شمشیر سے امیدیں وابستہ کیں۔ تحریک کا یہ انداز ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ تک جاری رہا۔ امیر محمد خان پر تکیہ اسی طریق کار ہی کا حصہ تھا لیکن جب امیر محمد خان نے انگریزوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے تو پھر کوئی صاحب شمشیر ایسا دکھائی نہیں دیتا تھا جس پر تکیہ کیا جا سکے اور جس کی شمشیر اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں امیدوں کے چراغ روشن کر سکے۔ اس لئے نئے طریق کار اپنانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور یہ طریق کار براہِ راست عوام کو منظم کرنے اور ان میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کا موجب بنا۔

اب عام مسلمانوں کو شمشیر و سناں پر تکیہ کرنا پڑا اور فیصلہ انھی کے سپرد ہوا۔ لیکن ایسے مسلمان جو ایک صدی سے سیاسی تنزل اور اقتدار کی محرومی کی وجہ سے پریشان خاطر تھے' ان کے اندر جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لئے ایک مسلسل مہم کی ضرورت تھی۔ یہ بھی ضروری تھا کہ سیاسی تنزل نے ان مسلمانوں میں جو اخلاقی اور ذہنی گراوٹ پیدا کر دی ہے' پہلے اس کو دور کیا جائے اور ان میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں جیسا اخلاق اور دینی حمیت پیدا کی جائے' عقائد کی پختگی اور دینی حمیت کی بنیاد پر ان کو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح جہاد اور فتح کفار پر ابھارا جا سکے گا۔

(جاری ہے)

بچوں کی تربیت کے چند مسائل

ڈاکٹر ام کلثوم

1۔ تربیت ایک مسلسل عمل ہے اس لئے بچے کو پہلے دن ہی سے عمدہ اخلاق کی تعلیم دینا شروع کر دینا چاہئے۔ وہ ایک باشعور ہستی ہے۔ جس کا مشاہدہ بڑا تیز ہے۔ یہ کہنا بالکل درست نہیں ہے۔ ''ابھی اسے کیا سمجھانا بڑا ہو کر خود ہی سمجھ جائے گا۔''

جس طرح ہر آن ہر لمحہ بچے کا جسم نشوونما پا رہا ہے بالکل اسی طرح اس کی عادات تشکیل پا رہی ہیں۔ جیسی محنت اور توجہ جسمانی ضروریات کی تکمیل کے لئے درکار ہے اس سے کہیں زیادہ ذہنی تربیت کے لئے درکار ہے۔

2۔ تربیت کے معاملہ میں جزا و سزا ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اچھے عمل پر جزا اور برے عمل پر سزا موقع و محل کی مناسبت سے دینا ضروری ہے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش

گلستان کو خوبصورت بنانے کے لئے ہر پودے پر مسلسل نگاہ رکھنا اس کی مناسب وقت پر تراش خراش کرتے رہنا باغبانی کا اہم اصول ہے۔

تربیت پر مامور ''بزرگ'' وہ مہربان سرجن یا طبیب ہے جس کے ایک ہاتھ میں نشتر اور دوسرے میں مرہم ہے اور وہ ہر وقت اپنے زیر نگرانی فرد کو مکمل تندرست رکھنے کی فکر میں ہے۔

3۔ سیکھنے کے عمل میں انسانی جسم کے اہم اعضاء اپنے اپنے حصہ کے افعال سرانجام دیتے ہیں۔ ذہنی پختگی اور کنٹرول کے لئے جسم میں موجود مختلف غدودوں کی کارکردگی بڑا اثر رکھتی ہے۔ اس معاملہ میں سب سے اہم کردار Adrenal Gland کا ہے۔ پیدائش کے بعد ایک مختصر سے عرصہ کے لئے (چند دن) تو اس کا سائز اور فعالیت بہت کم ہو جاتی ہے لیکن اس کے بعد یہ تیزی سے بڑھتا ہے اور پانچ سال تک تیزی سے بڑھتا رہتا ہے۔ بچے کے فہم اور نفسیات میں جو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ان میں ان غدودوں کا بڑا اثر ہے۔ ان کی فعالیت ہی مختلف اعضاء کی پختگی اور کردار کو منضبط کرتی ہے۔

بچہ ایک کام اسی وقت سیکھ سکتا ہے جب وہ جسمانی اور ذہنی طور پر وہ کام سیکھنے کے لئے تیار ہو اس اہم اصول کو Law of Readiness کہتے ہیں۔

خالق کائنات نے اس معاملہ میں حیرت انگیز طور پر ہر بچے میں تدریج و ترتیب رکھی ہے۔ اس ترتیب کا لحاظ رکھے بغیر بچے کو کوئی کام سکھانا ایک کار لاحاصل ہے۔ مثلاً چھ ماہ کے بچے کو چلانے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ اس لئے کہ وہ ابھی اس کے لئے تیار نہیں۔ ایک سال کے بچے سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے کپڑے خراب کئے بغیر خود ہی آرام سے کھانا کھا لے بے جا ہوگا۔ اسی طرح اگرچہ بچہ ہر لحظہ سیکھنے کے عمل سے گزر رہا ہے لیکن لکھنا پڑھنا سیکھنے کے لئے زیادہ مناسب عمر ساڑھے تین سے ساڑھے چار سال ہے۔ مسلم معاشرہ میں سوا چار سال کی عمر سے مکتب میں بچے کی بسم اللہ کروائی جاتی ہے۔

مثانہ کا کنٹرول دو سے تین سال کی عمر میں کہیں مکمل طور سے ٹھیک ہوتا ہے اس سے پہلے یہ تو ممکن ہے کہ محتاط ماں وقفے وقفے سے رفع حاجت کی عادت ڈال دے لیکن کسی وقت کسی وجہ سے ماں کی توجہ کم ہو یا بچہ کھیل میں مصروف ہو تو کپڑے خراب ہونے کے پورے امکانات ہیں اس میں بچہ قصور وار نہیں کہ اس پر اسے ڈانٹ پھٹکار ہو یا سزا دی جائے۔۔۔ اپنا موڈ خراب کرنے یا بچے کو برا بھلا کہنے سے پہلے یہ سوچنا ضروری ہے کہ بچہ اس کام کا اہل بھی ہے یا نہیں جس پر ناراض ہوا جائے۔

4۔ ہر بچہ منفرد ہے۔ ہر بچے کی صلاحیتیں اور شخصیت دوسرے سے جدا ہے۔ ہر وقت بچوں کا باہم موازنہ کرتے رہنا صحیح طرز عمل نہیں۔ ایک بچہ سبق جلد یاد کرتا ہے دوسرا جلد یاد نہیں کر سکتا۔ ضروری نہیں جو سبق جلد یاد نہیں کر رہا کند ذہن ہی ہے۔ ممکن ہے اس کی توجہ کسی دوسری جانب زیادہ ہو۔ بچے کی صلاحیتوں اور دلچسپیوں کو پہچان کر ان سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک بچہ بڑی جلد ڈسپلن سیکھ جاتا ہے۔ دوسرا ابھی آرام سے نہیں بیٹھ سکتا۔ ایک جلد بولنا شروع کر دیتا ہے دوسرا جلد چلنے لگتا ہے۔ یوں مختلف امور میں بچوں کا باہم مقابلہ و موازنہ، ایک کی تعریف دوسرے کی تنقیص بچے کے معصوم اور نازک ذہن کو ہمیشہ کے لئے متاثر کر سکتی ہے۔

بچے کی شخصیت کو منفرد بنانے میں مختلف عوامل کام کرتے ہیں ان عوامل کے نتیجے میں ہم اس دنیا میں تقریباً اتنی ہی مختلف شخصیات دیکھتے ہیں جتنے خود لوگ ہیں۔ شاید ہی ایسا ہو کہ مزاج، عادات، کردار کے لحاظ سے کوئی دو افراد بالکل یکساں ہوں۔

جو مختلف عوامل انفرادیت پیدا کر رہے ہیں ان میں بہت اہم موروثی عوامل ہیں۔

ہر بچہ ابتدا ہی سے جینیاتی (Genetically) طور پر دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ حمل کی ابتدا ہی میں رب کریم اپنی کسی خاص حکمت کے تحت پچاس ساٹھ کروڑ جرثوموں میں سے صرف ایک کو بارآوری کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ ان کروڑوں جرثوموں میں سے ہر ایک جینیاتی اعتبار سے دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ بارآور کرنے والے اس خاص جرثومہ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا جرثومہ اس بیضہ کو بارآور کرتا تو نتیجتاً ایک بالکل ہی مختلف شخصیت ظہور پذیر ہوتی۔

یہ خصوصی انتخاب کیوں ہوتا ہے؟ اس کا کوئی تسلی بخش جواب ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آیا۔ یہ رب رحیم و کریم خالق کائنات کی اپنی حکمت اور تدبیر ہے کہ وہ کن اوصاف و کردار کے مالک افراد اس جہاں میں لانا چاہتے ہیں۔

اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ O فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّاشَآءَ رَکَّبَکَ O (الانفطار آیات 7'8)

''وہی تو ہے جس نے تجھے بنایا اور (تیرے اعضاء کو) ٹھیک ٹھیک اور متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔''

ہر انسان کو اس کی تخلیق کی ابتدا ہی سے شکل، صورت، صحت، صلاحیتوں، عادات اور تقریباً ہر معاملہ میں مخصوص جینیاتی اوصاف ودیعت کئے جاتے ہیں۔ یوں ہر انسان جو کچھ ہے اپنے جینز (Genes) کی وجہ سے ہے بلکہ کسی حد تک جینز کا اسیر ہے۔

یہ رب کریم کی منشا کے خلاف ہوگا اگر انسان مکمل طور پر ان جینز کا اسیر بن کر رہ جاتا جو خود خالق رحیم نے اپنی مرضی اور حکمت کے تحت اسے ودیعت کر دیئے ہیں جن کے انتخاب میں خود اس کا قطعاً کوئی دخل نہ تھا۔ اس صورت میں بھلا وہ اس امتحان میں اپنا کردار کیسے ادا کرتا جو اس کا مقصد آفرینش قرار دیا گیا۔ رب کریم نے خود فرمایا۔

لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (الملک ۔ 2)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو امتحان میں کامیابی کی تیاری اور پھر اپنی مرضی سے جواب لکھنے کی پوری پوری آزادی دی ہے۔ انسان زندگی بھر بہت سے دوسرے عوامل سے متاثر ہوتا ہے۔ یہ عوامل اس کی شخصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کی عادات بدلنے کی قوت رکھتے ہیں۔ اس کے کردار کو ایک رخ عطا کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ جینیاتی اوصاف (Genetic Characteristics) کو ایک ڈھب پر چلانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے باہم امتزاج سے ایک ایسی شخصیت وجود میں آتی ہے جو خود بھی دوسروں پر اثر انداز ہونے ان کے اخلاق و کردار کو بدلنے کی قوت رکھتی ہے یہی قوت تاثر اور آزادی عمل ہے جس کا امتحان ہے۔

امریکی میڈیا سے چند سوالات

ڈاکٹر علی آصف

❀ 11 ستمبر 2001ء کی صبح دو امریکی اغوا شدہ مسافر طیارے یکے بعد دیگرے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے نارتھ اور ساؤتھ ٹاورز سے ٹکرا گئے۔ یہ طیارے تیل سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کھولتے ہوئے تیل نے لوہے کی بنی ہوئی دنیا کی بلند ترین عمارتوں کے ڈھانچے کو پگھلا دیا اور یہ عمارتیں زمین بوس ہوگئیں۔ اس واقعے کا دورانیہ تقریباً 45 منٹ تھا۔ اسی دوران میں ایک اور اغوا شدہ طیارہ وزارتِ دفاع کی مشہور عمارت پینٹا گون سے جا ٹکراتا ہے اور تھوڑی ہی دیر میں ایک اور طیارہ وائٹ ہاؤس کی جانب بڑھتا ہوا مسافروں کی کاوشوں سے اپنے ٹارگٹ سے پہلے گر کر تباہ ہو جاتا ہے۔ صدر بش ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرتے ہیں: "America is under attack" اور بن لادن قصوروار ہے۔

یہ ہے وہ صورت حال جو اُس دن دنیا کے تمام چینلز پر بار بار دہرائی گئی اور اِس وقت دو سال گزرنے کے بعد امریکہ کے سینما گھروں میں 11 ستمبر کے حوالے سے نئی فلم ریلیز ہوگئی ہے جس میں پھر وہی خرافات دہرائی جا رہی ہیں۔

یہ تمام پروپیگنڈا سننے کے بعد اور تمام اخبارات پڑھنے کے بعد قارئین کے ذہن میں بعض سوالات جنم لیتے ہیں جن کا آج تک کوئی جواب نہ دے سکا۔

اغوا کنندہ کون تھے؟

سب سے پہلی بات یہ کہ چار جہازوں کا امریکی ہوائی اڈوں سے بیک وقت اغوا ہونا سمجھ سے بالاتر ہے۔ امریکی حکام کا کہنا ہے کہ 19 اغوا کنندہ تھے جو پانچ پانچ تو تین طیاروں میں اور چار ایک طیارے میں بغیر ٹکٹ کے سوار تھے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کے پاس ٹکٹ ہی نہیں تھے تو ان کے بارے میں معلومات شاید انہوں نے خود ہی فراہم کی ہوں گی؟ سی این این کی ویب سائٹ پر چاروں طیاروں کے مسافروں کے نام درج ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی مسلمان کا نام درج نہیں ہے۔ بلکہ اگر شروع میں لکھا ہوا ہے کہ فلاں جہاز میں مرنے والوں کی تعداد 60 تھی تو 54 مسافروں کے نام لکھے ہیں۔ یہی حال باقی تین طیاروں کے مسافروں کے ناموں کی فہرست کا ہے۔ اور اس طرح کل 34 مسافروں کے نام درج نہیں ہیں۔ اب ان 34 میں سے 19 تو اغوا کنندہ تھے اور باقی 15 کون تھے؟

اب 19 اغوا کنندگان کی کہانی سے کون واقف نہیں ہے! جب ان کے نام پہلی مرتبہ منظر عام پر لائے گئے تھے تو ان میں سے کوئی سعودی عرب میں زندہ موجود تھا' کوئی مصر میں' کوئی مراکش میں' پھر اس فہرست کی نظر ثانی کی گئی اور یہ آج بھی ایک معمہ ہے۔ بعض امریکی حکام کے بقول ان کے پاسپورٹ جہاز کے ملبے میں سے مل گئے تھے۔ انسانی عقل یہ بات کیسے مان لے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ملبے سے پاسپورٹ صحیح سلامت مل جائے۔ اور پھر بغیر ٹکٹ کے سفر کرنے والوں کو کیا اپنی شناخت کرا کے جنت کے دروازے کھلوانے تھے؟

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت کیسے گری؟

''ورلڈ ٹریڈ سنٹر'' ستر کی دہائی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ دنیا کی بلند ترین عمارت ہونے کے ساتھ ساتھ مضبوط ترین عمارت بھی تھی۔ اسکی 94 ویں منزل پر آ کر جہاز ٹکراتے ہیں' جہازوں کا ایندھن گرم ہو جاتا ہے اور فولادی ڈھانچہ پگھلتا ہے اور ایک فلور دوسرے کے اوپر گرتا ہوا پوری عمارت کو زمین بوس کر دیتا ہے۔ اب اگر کسی خدا کے بندے نے جنرل سائنس اور بنیادی طبیعیات پڑھی ہو تو اسے معلوم ہے کہ فولاد تقریباً 1500'C پر پگھلتا ہے۔ اور جہازوں میں استعمال ہونے والا ایندھن کیروسین آئل ہوتا ہے جو کہ زیادہ سے زیادہ 350'C پر کھولتا ہے اور اس سے زیادہ درجۂ حرارت پر وہ بخارات کی شکل اختیار کر لیتا ہے یا دھماکے کے ساتھ اپنے اردگرد کی چیزوں کو اڑا دیتا ہے۔ معلوم نہیں کہ آخر یہ کیسے ہوا؟ بعض ماہرین تعمیرات کے مطابق ان عمارتوں کو باقاعدہ چھوٹے بموں سے اڑایا گیا ہے۔ ان کے بیانات 11 ستمبر کے بعد انٹرنیٹ پر پوسٹ بھی ہوئے' لیکن ایک ہفتے بعد انہوں نے معافی مانگتے ہوئے سرکاری رپورٹ کی تائید کر دی۔

سب سے زیادہ فائدہ کس کو ہوا؟

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے گرنے سے سب سے زیادہ فائدہ آسٹریلیا کے سب سے امیر ترین یہودی کو ہوا جس نے تقریباً تین ماہ قبل سنٹر کے ایک بڑے حصے کو لیز پر لیا تھا اور اس کی انشورنس جو کہ دہشت گردی کو Cover کرتی تھی' کروائی تھی۔ اس طرح اسے 300 ارب ڈالر کا منافع ہوا۔

کتنے اسرائیلی ہلاک ہوئے؟

یہاں اے بی سی نیوز کی ویب سائٹ بھی قابل غور ہے۔ اس پر مرنے والوں کے نام بمطابق ان کی قومیت کے درج ہیں۔ 10 ستمبر 2001ء تک سنٹر میں چار ہزار یہودی اسرائیلی ملازم تھے اور 11 ستمبر کے سانحے میں اے بی سی نیوز کے مطابق صرف چار اسرائیلی فوت ہوئے' ان میں سے بھی ''دو'' اُس جہاز میں سوار تھے۔

پینٹا گون کی کہانی:

پینٹا گون اور پنسلوانیا میں گرنے والے جہازوں کا ملبہ آج تک کسی نے نہیں دیکھا؟ یہ حقیقت ہے کہ میڈیا کی آنکھ سے ملبے کو چھپایا گیا ہے۔ اگر ہم پینٹا گون کے حادثے کو دیکھیں تو اس کی ایک عمارت کو نقصان پہنچا اور اس عمارت میں 65 فٹ کی چوڑائی کا سوراخ پیدا ہو گیا۔ حکام کے بقول یہ سوراخ جہاز کے ٹکرانے کے وقت 30 فٹ تھا اور بعد میں کچھ حصہ گرنے سے 65 فٹ ہو گیا۔ اس عمارت سے ٹکرانے والے بوئنگ طیارے کی چوڑائی 100 فٹ سے بھی زیادہ تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ طیارے کے اتنے بڑے پَر کہاں گئے؟ جہاز کے پروں نے عمارت کے بیرونی حصے پر کوئی نشان نہیں چھوڑا نہ ہی وہ باہر پائے گئے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاز اپنے پَروں کو سکیڑتا ہوا عمارت کے اندر داخل ہو کر گم ہو گیا' جبکہ اس کی لمبائی بھی عمارت کی لمبائی سے تین گنا زیادہ تھی؟ حکام کے بقول طیارہ گرمی میں' جو کہ ایندھن کے جلنے سے پیدا ہوئی تھی' پگھل گیا۔

ڈی این اے ٹیسٹ کیسے ممکن ہوا؟

امریکی حکام کے مطابق پینٹا گون کے 65 ملازمین اس حادثے کی نذر ہو گئے تھے۔ ان میں 64 ملازمین کا ڈی این اے ٹیسٹ کروانے کے بعد ان کی تشخیص کر لی گئی۔ دنیا کے کسی بھی جرنل کو پڑھ لیں اس میں یہ صاف درج ہے کہ ڈی این اے 150'C سے زیادہ درجۂ حرارت پر کسی قابل نہیں رہتا۔ اس درجہ حرات پر جس نے بوئنگ طیارے کو پگھلا کر رکھ دیا' ایک نہیں بلکہ 64 ملازمین کے ڈی این

اے ٹیسٹ کیسے کروالئے گئے؟

چوتھے جہاز کو کس نے گرایا؟

پنسلوانیا کی جائے حادثہ کو میڈیا کے لئے آج تک بند رکھا گیا ہے۔ یہ وہ جہاز تھا جس نے امریکی صدر کی رہائش کو نشانہ بنانا تھا۔ لیکن ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی صورت حال مسافروں کے علم میں آنے کے بعد ان کی کوششوں سے ''عرب ہائی جیکروں'' کی اس کوشش کو خاک میں ملا دیا گیا۔ امریکی حکام کے مطابق اُس وقت تک پورے امریکہ میں ایمر جنسی نافذ کی جا چکی تھی اور F-16 طیارے ہوا میں گشت کرنا شروع ہو گئے تھے۔ عینی شاہدین کے مطابق جائے حادثہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر انہیں جہاز کا ایک انجن ملا تھا اور حادثے کے وقت F-16 فضا میں تھے۔ اس صورت حال کو دیکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکی فوج نے بوکھلاہٹ میں اس جہاز کو گرا دیا۔

صدر بش کی بوکھلاہٹ:

امریکی میڈیا کے بقول صدر بش کو اس وقت اطلاع دی گئی جب دوسرا طیارہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت سے ٹکرایا۔ اس وقت تک تین جہازوں کے اغوا کی تصدیق ہو چکی تھی۔ ایک جہاز اپنے ہدف کو نشانہ بنا چکا تھا' باقی جہاز فضا میں تھے۔ کنٹرول ٹاور میں افراتفری تھی اور امریکی صدر ایک کلاس روم میں بیٹھے تھے۔

سی این این کی ویب سائٹ پر امریکی صدر کا دسمبر کا ایک خطاب آج بھی لکھا ہوا' جس میں انہوں نے خبر کے جاننے کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ صدر صاحب کے بقول: ''جب انہیں معلوم ہوا کہ امریکہ پر حملہ ہوا ہے' اس وقت وہ سکول میں تھے اور ایک کلاس روم میں جانے والے تھے۔ انہوں نے پہلے جہاز کو عمارت سے ٹکراتے ہوئے ٹی وی پر دیکھا اور پھر پریشانی میں کلاس روم میں چلے گئے اور وہاں پر تھوڑی دیر بعد دوسرے طیارے کے ٹکرانے کی خبار انہیں سرگوشی میں سنائی گئی''۔

سب سے پہلی بات کہ پہلے جہاز کے ٹکرانے کی تصویر تو کافی دیر بعد منظر عام پر آئی' تو صدر صاحب نے جہاز کو ٹکراتے ہوئے کہاں سے دیکھ لیا؟

دوسری بات یہ کہ دنیا کی بلند ترین عمارت سے ایک طیارہ ٹکراتا دیکھنے کے بعد صدر صاحب نے کلاس روم میں جانا کیوں ضروری سمجھا؟

ان سوالات کا جواب صدر بش کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ اور ابھی تک پہلے جہاز کی فلم بندی کرنے والے کے بارے میں بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ شاید وہ بھی اسامہ بن لادن ہی ہوں گے؟

بن لادن؟

ان سانحوں کے تقریباً دو گھنٹے کے اندر اندر تمام میڈیا میں اسامہ بن لادن' ان کے کارنامے' ان کی جائے رہائش' ان کے خاندان کی خبریں تمام چینلز کی زینت بن گئیں۔ یاد رہے کہ بن لادن نے آج تک ان حملوں کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔

پاکستان کی اصل قیمت:

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ فوکس نیوز کے مطابق دو تین دن کے اندر اندر امریکی افواج پاکستان میں اتر گئی تھیں اور نیوز چینل پر ایک پروگرام میں ایک عہدیدار سے جب یہ پوچھا گیا کہ اگر پاکستان نے آپ کا ساتھ نہ دیا تو پھر آپ کیا کریں گے تو اس عہدیدار نے پاکستان کی قیمت 600 ملین لگائی تھی اور کہا تھا کہ ''شاید ہمیں یہ دینے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی''۔ اس کے برعکس ہمارے پاکستانی حکام کئی ہفتے تک اس بات کی تردید کرتے رہے کہ امریکی افواج ہماری سرزمین پر اتر چکی ہیں۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی صرف میڈیا کا پروپیگنڈا تھا۔ خدا ہمیں حقائق جاننے کی توفیق عنایت فرمائے اور جھوٹے عالمی پروپیگنڈے سے اور اس کی تائید کرنے سے دُور رکھے۔

قرآن ہندو اور سکھ مفکرین کی نظر میں

☆ گرونانک: پوجا پاٹ کام نہیں دے سکتی' چھوت چھات بے کار ہے' جنیو اشنان ماتھے پر تلک لگانا کچھ کام نہ آئے گا اگر کوئی کتاب کام آئے گی تو وہ قرآن ہے (جس کے آگے پوتھی پران کچھ بھی نہیں)۔

☆ توریت' انجیل' زبور اور وید وغیرہ سب کو پڑھ کر دیکھ لیا۔ قرآن کریم ہی قابل قبول اور اطمینان قلب کی کتاب نظر آئی۔ اگر سچ پوچھو تو سچی اور ایمان کی کتاب جس کی تلاوت سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے قرآن کریم ہی ہے۔

☆ لالہ لاجپت رائے: میں قرآن کی معاشرتی' اخلاقی اور روحانی تعلیم کا دل سے مداح ہوں اور اس رنگ کو اسلام کا بہترین رنگ سمجھتا ہوں جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں تھا۔

☆ بابا بھوپندر ناتھ باسو: چودہ سو برس کے بعد بھی قرآن کی تعلیم کا یہ اثر موجود ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے سے بڑے خاندانی مسلمان کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

☆ رابندر ناتھ ٹیگور: وہ وقت دور نہیں جب قرآن کریم اپنی مسلمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے سب مذاہب کو اپنے اندر جذب کرلے گا اور وہ زمانہ بھی دور نہیں جب اسلام ہندو مذہب پر بھی غالب آجائے گا اور ہندوستان میں اسلام ہی واحد مذہب ہوگا۔

☆ پروفیسر دویجاداس: قرآن ایسا جامع اور روح افزاء پیغام زندگی ہے کہ ہندو دھرم' مسیحیت کی کتابیں اس کے مقابلے میں کوئی بیان پیش نہیں کر سکیں۔

☆ ایچ ایس لیڈر: تعلیم قرآن سے فلسفہ وحکمت کا ظہور ہوا اور ایسی ترقی ہوئی کہ قرآن کا پیش کردہ فلسفہ حیات اپنے عہد کی بڑی بڑی یورپین سلطنتوں کی تعلیم حکمت سے بڑھ گیا۔

☆ بابو چندر پال: قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا امتیاز نہیں اور نہ کسی کو محض خاندانی اور رعالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔

☆ مسز رچرڈسن: یہ ضروری ہے کہ غلامی کی مکروہ رسم کو دنیا سے مٹانے کے لئے ہندو شاستر کو قرآن سے بدل دیا جائے۔ قرآن نے مسلمانوں کو جہاد بھی سکھایا اور ہمدردی' فیاضی اور خیرات کرنا بھی سکھایا۔

☆ مسز سروجنی نائیڈو: قرآن کریم غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے دنیا اس کی پیروی سے خوشحال ہو سکتی ہے۔

☆ مہاتما گاندھی: مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کر لینے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں۔

(حسن انتخاب' محبوب اے خان' لاہور)

معلومات

اسلامی مہینوں کی وجہ تسمیہ

شیخ علم الدین سخاوی نے اپنی کتاب ''المشھور فی اسماء الایام والشھور ''میں لکھا ہے کہ محرم کے مہینہ کو محرم اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں' لیکن میرے نزدیک اس کی وجہ تسمیہ اس کی حرمت کی تاکید ہے' اس لئے کہ عرب جاہلیت میں اسے بدل ڈالتے تھے۔ کبھی حلال کر ڈالتے اور کبھی حرام کر ڈالتے۔ اس کی جمع محرمات' محارم' محاریم ہے۔ صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینہ میں عموماً ان کے گھر خالی رہتے تھے' کیونکہ یہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے۔ جب مکان خالی ہوجائے تو عرب کہتے ہیں صفر المکان۔ اس کی جمع اصفار ہے' جیسے جمل کی جمع اجمال ہے۔ ربیع الاوّل کے نام کا سبب یہ ہے کہ اس مہینہ میں ان کی اقامت ہوجاتی ہے۔ ارتباع کہتے ہیں اقامت کو۔ ربیع کی جمع اربعاء ہے' جیسے نصیب کی جمع انصباء۔ اس کی ایک اور جمع اَرْبِعَة ہے' جیسے غیف کی جمع اَرْغِفَة ہے۔ ربیع الآخر کے مہینہ کا نام رکھنا بھی اسی وجہ سے ہے۔ گویا یہ اقامت کا دوسرا مہینہ ہے۔ جمادی الاولیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینہ میں پانی جم جاتا تھا۔ ان کے حساب میں مہینے گردش نہیں کرتے تھے' یعنی ٹھیک ہر موسم پر ہی ہر مہینہ آتا تھا' لیکن یہ بات کچھ موزوں نہیں' اس لئے کہ جب ان مہینوں کا حساب چاند پر ہے تو ظاہر ہے کہ موسمی حالت ہر ماہ پر ہر سال یکساں نہیں رہے گی۔ ہاں' یہ ممکن ہے کہ اس مہینہ کا نام جس سال رکھا گیا ہو' اس سال یہ مہینہ کڑاکے کے جاڑے میں آیا ہو اور پانی میں جمود ہوگیا ہو۔ چنانچہ ایک شاعر نے یہی کہا ہے کہ جمادیٰ کی سخت اندھیری راتیں جن میں کتا بھی بمشکل ایک آدھ مرتبہ ہی بھونک لیتا ہے۔ اس کی جمع جمادات ہے' جیسے حباریٰ کی حباریات۔ یہ مذکر مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔ جمادی الاولیٰ اور جمادی الآخرہ کہا جاتا ہے۔ جمادی الاخریٰ کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ گویا یہ پانی جم جانے کا دوسرا مہینہ ہے۔ رجب' یہ ماخوذ ہے ترجیب سے۔ ترجیب کہتے ہیں تعظیم کو۔ چونکہ یہ مہینہ عظمت و عزت والا ہے اس لئے اسے رجب کہتے ہیں۔ اس کی جمع ارجاب' رجاب اور رجبات ہے۔ شعبان کا نام شعبان اس لئے ہے کہ اس میں عرب لوگ لوٹ مار کے لئے اِدھر اُدھر متفرق ہوجاتے تھے۔ تشعب کے معنی ہیں جدا جدا ہونا۔ پس اس مہینہ کا بھی یہی نام رکھ دیا گیا۔ اس کی جمع شعابین' شعبانات آتی ہے۔ رمضان کو رمضان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اونٹنیوں کے پاؤں بوجہ شدت گرما کے جلنے لگتے ہیں۔ رَمَضَتِ الْفِصَالُ اس وقت کہتے ہیں جب اونٹنیوں کے بچے سخت پیاسے ہوں۔ اس کی جمع رمضانات' رماضین اور رامضہ آتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ یہ محض غلط اور ناقابلِ التفات قول ہے۔ میں کہتا ہوں اس بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے' لیکن ہے وہ ضعیف۔ شوال شالت الابل سے ہے۔ یہ مہینہ اونٹوں کی مستیوں کا تھا۔ یہ دُمیں اٹھا دیا کرتے تھے۔ اس لئے اس مہینے کا یہی نام ہوگیا۔ اس کی جمع شواویل' شواول' شوالات آتی ہے۔ ذوالقعدہ یا ذوالقِعدہ کا یہ نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ میں عرب لوگ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ نہ لڑائی کے لئے نکلتے اور نہ سفر کے لئے۔ اس کی جمع ذوات القعدہ ہے۔ ذوالحجہ کو ذوالحَجہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ اسی ماہ میں حج ہوتا تھا اس لئے اس کا یہ نام مقرر ہوگیا۔ اس کی جمع ذوات الحجہ آتی ہے۔

(ماخوذ تفسیر ابن کثیر' ج ۲' ص ۵۲۶)

النصر لیب

مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیرنگرانی ادارہ

ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ' ایکسرے' ای سی جی اور الٹراساؤنڈ کی سہولیات

خصوصی پیکج مکمل میڈیکل چیک اپ ☆ الٹراساؤنڈ ☆ ای سی جی ☆ ہارٹ ☆ لیور ☆ کڈنی ☆ جوڑوں سے متعلقہ متعدد ٹیسٹ/ ہیپاٹائٹس بی اور سی ☆ بلڈ گروپ ☆ بلڈ شوگر ☆ مکمل بلڈ اور مکمل پیشاب ٹیسٹ صرف 1500 روپے میں کروائیں

ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔

النصر لیب :950۔ بی' مولانا شوکت علی روڈ' فیصل ٹاؤن (نزد راوی ریسٹورنٹ) لاہور

فون: 5162185-5163924 موبائل: 0300-8400944

E-mail:alnasar@brain.net.pk Website:www.alnasar.com.pk

صدر مؤسس کے خطبات پر مشتمل نئی تالیف

''حقیقت ایمان''

شائع ہوگئی ہے۔ جس میں حقیقت و فلسفہ ایمان کے موضوع پر تمام اہم مباحث کو 214 صفحات میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔

(قیمت عام ایڈیشن: 50 روپے
خاص ایڈیشن: 90 روپے)

اپنی کاپی آج ہی بک کرائیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن
36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 5869501-03

کشمیر اور پاکستان

❀ زیر نظر کتاب کا عنوان ہے: ''جموں و کشمیر کا مستقبل اور پاکستان'' اس کے مؤلف ہیں جناب امیر زمان طاہر' جو ریاست کے معروف سیاسی کارکن اور تحریک حریت کشمیر کے مجاہد ہیں۔ اس سے پیشتر اُن کی کتاب ''مقبول بٹ شہید'' علمی' ادبی اور سیاسی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکی ہے۔ اس کتاب کی ورق گردانی کے دوران راقم السطور کو دیوناگری رسم الخط میں چند صفحات نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ یہ ''ببر خالصہ انٹرنیشنل'' کے صدر ودھاوا سنگھ کا مکتوب بنام مؤلف ہے۔ امیر زمان صاحب نے آزادی کشمیر کے ضمن میں چند مفروضوں کی بنیاد پر ودھاوا سنگھ کو چار ضروری سوالوں پر مبنی یہ خط لکھا تھا:

''آداب! مزاج بخیر' میری پہلی کتاب ''مقبول بٹ شہید'' کے بعد دوسری کتاب جموں و کشمیر کا مستقبل اور پاکستان تیار ہو چکی ہے۔ کتاب میں کشمیر کے مستقبل کے متعلق جائزہ لیتے وقت خالصتان تحریک کو نظرانداز کرنا میرے لئے نامناسب تھا' کیونکہ دونوں قوموں کا مشترکہ دشمن بھارت ہے اور پھر آزاد خالصتان اور کشمیر کا جغرافیائی تعلق بھی بڑا گہرا ہے۔ مستقبل کے حوالے سے چند ضروری سوالات آپ سے مطلوب ہیں۔

(1) دوران تحریک اور آزادی کے بعد بھارت کی علاقائی طاقت اور عزائم کے مقابلے میں دونوں قوموں کی حکمت عملی کیا ہونی چاہیے؟

(2) خالصتان اور کشمیر کی سرحد ملتی ہے۔ آزادی کے بعد دونوں ملکوں کے تعلقات کیسے ہوں گے؟

(3) کشمیر اگر پاکستان میں ضم ہو گیا تو اس صورت میں تعلقات کی نوعیت کیا ہو گی؟ ننکانہ صاحب اور پنجہ صاحب کی وجہ سے کیا مستقبل میں کوئی ٹکراؤ تو نہ ہو گا؟

(4) بھارت سے آزاد ہونے کے بعد خالصتان اور کشمیر دونوں کو کیا بھارت سے خطرہ نہ رہے گا۔ ایسے میں دفاعی نقطہ نظر سے آپ کیا حکمت عملی اختیار کریں گے؟

تاریخ کے اوراق میں آپ کی رائے اور نقطۂ نظر مستقبل کی صدیوں پر محیط قومی زندگی کی بنیادوں کے لئے دُور رس نتائج پیدا کرے گی۔ امید ہے کہ مایوس نہیں کریں گے اور راقم کے ان سوالات کا جواب ضرور دیں گے۔

(خیر اندیش۔ امیر زمان طاہر' چیف آرگنائزر کشمیر لبریشن موومنٹ)

امیر زمان صاحب کے سوال نامے کے جواب میں ودھاوا سنگھ نے جو خط لکھا' وہ یہ ہے:

پیارے دوست زمان! آپ کا خط ملا اور معلوم ہوا کہ آپ نے ''جموں و کشمیر کا مستقبل اور پاکستان'' کتاب لکھی ہے جس کے لئے مجھ سے خالصتان کے حوالے سے کچھ سوالات پوچھ رہے ہیں۔ اس خط میں آپ کو تفصیلاً جواب دے رہا ہوں۔

تحریک کے دوران بھارت کے ساتھ ہمارا رویہ؟

بھارتی ہندو براہمن مکار اور دھوکے باز ہے اور کشمیر اور خالصتان کو بات چیت کے ذریعے آزادی دینے کے لئے تیار نہیں۔ لہٰذا مسلح جنگ کے ذریعے ہی اسے مجبور کر کے آزادی لینی ہو گی۔ ہم اس جنگ کو مندرجہ ذیل نقطوں کے مطابق منظم کرنا چاہتے ہیں:

(1) بھارت کی لیڈر شپ کو نشانہ بنانا۔

(2) بھارت کے امن و امان کو سخت نقصان پہنچانا۔

(3) بھارت کی پولیس اور حفاظتی دستوں کے ساتھ ساتھ فوج کے حوصلے پست کرنا۔

(4) آزادی کی دشمن تمام قوتوں کے حوصلے توڑنا۔

(5) رائے عامہ کو آزادی کے حق میں کرنا۔

(6) عالمی سطح پر آزادی کی انگڑائی لینے والی دیگر اقوام کے ساتھ میل جول اور ایک ہو کر جدوجہد کرنے کی کوشش کرنا۔

(7) قومی سطح پر انصاف پسند اور انسانی حقوق کا احترام کرنے والے لوگوں کے دلوں کو جیتنا اور بھارتی مظالم کے خلاف آواز پیدا کرنے کے لئے اقدام اٹھانے۔

(8) عالمی سطح پر اپنے اوپر ہونے والے مظالم کا پرچار کرنا۔

(9) عالمی قوانین کے مطابق آزادی کا مقدمہ عالمی سطح پر اٹھانا۔

(10) غیر ممالک میں لابنگ کرنا بالخصوص سیاست دانوں اور دیگر سرکاری عہدیداروں کی رائے اپنے حق میں کرنا۔

(11) بھارت کی طرف سے کی جانے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق بیرون ممالک انسانی حقوق کی تنظیموں کو آگاہ کرنا۔

(12) ہندوستان میں آزادی کی جنگ لڑنے والی دیگر اقوام کے ساتھ مل کر اپنے حقوق اور آزادی کی جنگ لڑنا۔

آزادی کے بعد بھارت کے ساتھ رویہ؟

آزادی کے بعد ہر ملک اپنے ہمسایہ کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرتا ہے اور اس سلسلے میں خارجہ پالیسی' عالمی قوانین' قومی رویہ اور مذہبی نقطۂ نظر بھرپور رول ادا کرتے ہیں۔ خالصتان کی خارجہ پالیسی گروگرنتھ کے مطابق ''نہ کسی سے ڈرو اور نہ کسی کو ڈراؤ'' کے علاوہ غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرنے والے' ظلم کے خلاف ڈٹ جانے والی خارجہ پالیسی ہو گی۔ اسی پالیسی کے تحت بھارت کے ساتھ اچھے تعلقات کی بھی کوشش کریں گے۔ آزادی کی جدوجہد کے دوران ہی خالصتان کے تمام علاقے حاصل کرنے کو اولیت دیں گے تاکہ بعد میں کوئی علاقائی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ آزادی کے بعد بھارت سے دشمنی ختم کرنے اور عام معافی دینے کا اعلان کریں گے۔ ہماری پیشکش قبول ہونے کی صورت میں دوستانہ تعلقات قائم کریں گے اور اگر بھارت نے دشمنی کا رویہ اپنایا تو مقابلے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔

ننکانہ صاحب اور پنجہ صاحب کے حوالے سے؟

کشمیر پاکستان میں ہو یا نہ ہو' سکھ قوم کی پالیسی بڑی واضح ہے۔ تقسیم ہند کے وقت سکھوں نے اپنا حصہ بھارت کے ساتھ جوڑ لیا تھا اس لئے ہم نے جو کچھ لینا ہے بھارت سے لینا ہے۔ سو ننکانہ صاحب' پنجہ صاحب اور دیگر گوردوارے پاکستان ہی میں رہیں گے۔ گوردواروں کے درشن اور انتظامات کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کے بعد ایک سمجھوتہ پاکستان سے کیا جائے گا تاکہ دنیا کے کسی کونے سے کوئی سکھ جب چاہے آزادانہ آ سکے۔ اسی طرح خالصتان میں مسلمانوں کے مذہبی مقامات کے لئے وہی سہولتیں ہوں گی۔

آزادی کے بعد کشمیر اور خالصتان دونوں کو بھارت سے کوئی خطرہ تو نہیں ہو گا؟

بھارت کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ اور پنجاب کو بازو سمجھتا ہے۔ آزادی کے بعد اٹوٹ انگ اور بازو کٹ جائیں گے اور باقی رہتا جسم بھی بکھر جائے گا۔ جس طرح روس جیسی بڑی طاقت چھوٹے چھوٹے ممالک میں بٹ کر اپنا نام ختم کرا چکی ہے' یہی صورت بھارت کی بھی ہو جائے گی۔ کشمیر اور خالصتان کی آزادی کے ساتھ ہی یا کچھ دیر کے اندر اندر بھارت چھوٹے چھوٹے ممالک میں منقسم ہو جائے گا' جن سے خالصتان اور کشمیر کو کوئی خطرہ نہ رہے گا بلکہ یہ چھوٹے چھوٹے ممالک اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے خالصتان اور کشمیر کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔

یہ کتاب کشمیر بک فاؤنڈیشن' 984 سی' کینال ویو ہاؤسنگ سوسائٹی' لاہور کے زیر اہتمام چھپی ہے۔

قیمت: 85 روپے (تبصرہ نگار: سید قاسم محمود)

شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ ''تنظیم اسلامی'' کی سرگرمیاں اور اطلاعات

اُسرہ بٹ خیلہ کا خصوصی دعوتی پروگرام

اُسرہ بٹ خیلہ کے زیرِ اہتمام یہ دعوتی پروگرام 19 ستمبر 2003ء بروزِ جمعۃ المبارک رفیقِ محترم جناب محمد امین سواتی کے مکان پر بعد نمازِ جمعہ منعقد ہوا۔ موصوف نے عقیقہ کی تقریب کے موقع پر اپنے رشتہ داروں' رفقاء اور احباب کو خصوصی طور پر مدعو کیا تھا تاکہ مولانا غلام اللہ حقانی صاحب ان کے سامنے ''منہج انقلابِ نبویؐ '' کے عنوان پر مفصل خطاب کر سکیں۔ شیڈول کے مطابق جامع مسجد چنارکوٹو (بٹ خیلہ) میں مولانا صاحب موصوف کے خطابِ جمعہ کے لئے بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ لیکن مولانا غلام اللہ حقانی صاحب لاہور میں شدید مصروفیت یا ہمارا پیغام بروقت نہ ملنے کے باعث تشریف نہ لا سکے۔

پروگرام کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ جناب قاری شاکر اللہ صاحب نے تلاوت کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد سٹیج سیکرٹری جناب مولانا سعید محمد نے مجلس میں شریک علمائے کرام کا تعارف کرایا۔ تعارف کے بعد سب سے پہلے جناب مولانا عبدالخالق صاحب امام وخطیب ''مسجد اللہ اکبر'' نے حاضرین سے ''تعاون علی البر'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس کے بعد جناب مولانا عنایت الحق صاحب امام وخطیب مسجد ''نوے کلے'' چنارکوٹو نے ''انما المؤمنون اخوۃ'' کی وضاحت کی اور اسلامی جماعتوں کے اتحاد واتفاق کی ضرورت پر زور دیا۔ تیسرے خطاب کے لئے جناب مولانا محمد ظاہر شاہ صاحب سٹیج پر تشریف لائے اور ''سورۃ العصر'' پر مختصر مگر جامع درس دیا۔

آخر میں جناب شوکت اللہ شاکر نقیب اسرہ بٹ خیلہ نے ''عقیدۂ توحید'' کی وضاحت کی اور اس کے متضمنات بیان کرتے ہوئے دین اور مذہب کے فرق کو واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام صرف ایک مذہب نہیں بلکہ دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی گوشوں میں احکام' اصول اور ہدایات دیتا ہے۔ موصوف نے کہا کہ دین کی اقامت صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ کے انقلابی طریق پر ہی ممکن ہوسکتی ہے۔

اس پروگرام کے داعی اور میزبان جناب قاری محمد امین صاحب نے علمائے کرام کی خدمت میں 15 عدد کتب سیٹ ہدیۃً پیش کئے۔ اس سادہ مگر پُر وقار تقریب میں 15 علمائے کرام سمیت 55 احباب شریک ہوئے جبکہ اسرہ بٹ خیلہ کے سات رفقاء نے شرکت کی۔ طعام اور دعا پر تقریب کا اختتام ہوا۔ جناب قاری سید غفور صاحب نے دعا کرائی۔ (رپورٹ: احتشام الحق)

منڈی صادق گنج میں دعوتی سرگرمیاں

کچھ عرصہ پہلے ہم نے منڈی صادق گنج میں بذریعہ ویڈیو تبلیغ کا کام شروع کیا۔ بازار کے چوک میں روزانہ بعد نمازِ مغرب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا مکمل پروگرام ابوظہبی دسمبر 1985ء دکھایا۔ درمیان میں عشاء کی نماز کے لئے وقفہ ہوتا۔ بازار کے شور کی وجہ سے یہ پروگرام کوئی خاص سودمند نہ ہوا۔ لوگ آتے جاتے پندرہ بیس منٹ بیٹھتے پھر چلے جاتے۔ پھر کوئی اور آجاتے۔ اور طرح طرح کے سوال کرتے۔ یہ کون صاحب ہیں؟ یہ کہاں کے مقرر ہیں؟ اس پروگرام کا مطلب کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس تشویش کے باعث ہم نے ماسٹر لعل حسین صاحب جو کہ عربی ٹیچر ہیں اور دین کا کام (درس قرآن) منڈی صادق گنج میں بھرپور طریقے سے پہلے سے کر رہے ہیں۔ اور سلیم الفطرت انسان ہر طرح کے تعصب سے بچے ہوئے ہیں۔ ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے ہمیں اپنے ایک شاگرد سے ملوایا اور ہماری مدد کے لئے تاکید کی جس کا نام ملک ممتاز ہے۔ ملک ممتاز صاحب کے مشورے سے یہی کیسٹ (ابوظہبی دسمبر 1985ء) کو دوبارہ ان کے ایک دوست ناصر محمود صاحب کے سکول (بلومنگ فلاور سکول) میں منتقل کیا۔ اب ہم پروگرام ہر روز کی بجائے ہر اتوار چھٹی کے دن صبح نو بجے شروع کرتے جس میں راقم اور ملک ممتاز صاحب گھر گھر جاتے اور پروگرام کی دعوت دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پورے نو پروگرام عظمت قرآن سے لے کر تنظیم اسلامی کی دعوت تک مکمل ہوئے اس میں تقریباً تیس افراد نے شرکت کی۔

منڈی صادق گنج جس کے لئے مشہور تھا کہ بہت بیک ورڈ علاقہ ہے۔ برائی زوروں پر ہے۔ لیکن دیکھنے میں آیا کہ یہاں بہت سے سلیم الفطرت انسان بھی ہیں۔ جو تقلیدی نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ ذہن کے مالک ہیں۔ خاص طور پر پوری غزنوی فیملی اور چوہدری ادریس صاحب' حاجی محمد ایوب صاحب' شیخ ہاشم سندر صاحب' ماسٹر معظم صاحب اور ملک داؤد صاحب ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ جن کے نام مجھے اس وقت یاد نہ رہ سکے۔

ملک داؤد صاحب نے تو بلکہ اپنی اکیڈمی میں آئندہ پروگرام کی آفر کی اور مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ اور بھی بہت سے ادمیوں نے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ اور اس طرح کے پروگرام چلاتے رہنے (منعقد کرتے رہنے) کی تاکید فرمائی۔ (رپورٹ: محمد رمضان)

تنظیم اسلامی باجوڑ کا ایک روزہ تفہیم دین کورس

تنظیم اسلامی باجوڑ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے رفقاء اقامت دین کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے میں شب وروز دیوانہ وار مصروف ہوتے ہیں حالات جس طرح بھی ہوتے ہیں موسم جو بھی کروٹ لے لیتا ہے۔ ان کی زبانوں پر یہی نعرہ ہوتا ہے۔

ہمارے راستوں پر کیسے کوئی حد لگائے گا
ہمیں رُکنا نہیں آتا ہمیں منزل پہ جانا ہے

28 اگست کو تنظیم اسلامی باجوڑ نے شمال مغربی سرحدی صوبے کے انتہائی شمال مغربی سرحد پر واقع گاؤں لغڑی میں ایک روزہ تفہیم دین کورس کا انعقاد کیا۔ پروگرام کو مزید خوبصورت کرنے کے لئے حلقہ سرحد شمالی کے شیریں گفتار اور ہردلعزیز غلام اللہ خان حقانی کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ امیر تنظیم اسلامی باجوڑ نے راقم کو پروگرام میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بلانے اور ان کی شرکت کو یقینی بنانے کے لئے ایک روز پہلے جانے کے لئے کہا تھا راقم نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک دن پہلے ہی رفقاء سمیت لغڑی کو پہنچا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تقریباً 75 فیصد رفقاء دروسِ قرآن اور تقاریر میں مہارت رکھتے ہیں۔ اس لئے وہاں پہنچنے پر ساتھیوں کو مختلف مساجد میں بھیجے گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اقامتِ دین کا پیغام پہنچائیں اور تفہیم دین کورس میں ان کی شرکت کو بھی یقینی بنائیں۔ صبح ہوتے ہی لوگ آنا شروع ہوئے۔ جامع مسجد لغڑی اس دن کچھ زیادہ خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔

آٹھ بجے کورس کا آغاز کلامِ الٰہی سے ہوا۔ کلام ربانی کے بعد جناب فیض الرحمٰن صاحب ''فرائض دینی کے جامع تصور'' پر سامعین سے مخاطب ہوئے۔ آپ نے فرمایا ہمارا دین' ہمارا ایمان ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اللہ کی بندگی کرے ﴿یایها الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافة﴾ اس بندگی کی دعوت کو دوسروں تک پہنچائے اور ان پر اتمامِ حجت کریں۔

﴿وکذلک جعلنکم امة وسطا لتکونوا شهدا علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا﴾

اللہ کے لئے بندگی کو خالص کرنے کے لئے اس دین کو قائم کریں۔

﴿ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه﴾

پروگرام کے دوسرے مقرر گل رحمان صاحب تھے۔ آپ نے ''اسلام ایک مکمل نظام حیات'' پر سامعین سے خطاب کیا تقریر کے دوران لوگوں کو سمجھانے کے لئے آپ نے چارٹ کا استعمال بھی کیا۔ چونکہ آپ کے سمجھانے کا انداز بہت عام فہم' آسان' خوبصورت اور برجستہ تھا۔ آپ نے کہا اس وقت کرہ ارض پر سیکولرازم اور دین جمہور کا ڈنکا بج رہا ہے۔ دین اللہ دنیا کی کسی چپہ میں بھی موجود نہیں ہے۔ گویا سیکولرازم نے ریاست و مذہب میں تفریق پیدا کر رکھی ہے چونکہ اسلام ایک نظام حیات ہے یہ اپنا غلبہ چاہتا ہے گویا یہ اس وقت غالب رہے گا جب ہمارے انفرادی اور اجتماعی گوشے بالفعل قائم ہو جائیں لیکن آج جو بھی اسلام کو دین سمجھتا اور اس پر عمل کرتا ہے تو دجال اکبر بش اور اس کے بغل بچہ ٹونی بلیئر کی نظروں میں کھٹکتے ہیں اور دہشت گرد ہوتے ہیں۔ لیکن ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کے آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

پروگرام کے آخری مقرر غلام اللہ خان حقانی تھے۔ آپ نے منہج انقلاب نبویؐ پر نہایت مدلل'

علمی اور خوبصورت انداز میں بحث کی۔ آپ نے فرمایا اس وقت بالفعل پوری دنیا پر غیر خدا تہذیب یعنی سیکولرازم کا دور دورہ ہے یہ سیکولرازم درحقیقت چند ستونوں پر قائم ہے جو شیطانی نظام کے ہیں۔ انقلاب دراصل ان ستونوں کا گرانا اور اس کی جگہ قرآنی نظام کو قائم کرنا ہے۔

گویا اسلام سیاست میں خلافت' معیشت میں عدل اور معاشرت میں مساوات کا درس دیتا ہے۔ انقلاب لانے کے لئے سب سے پہلے انقلابی نظریہ دیا جاتا ہے یہ نظریہ جاندار ہوگا جو موجودہ نظام کی جڑوں پر تیشہ کی طرح لگے پھر جو لوگ اس نظریئے کو ذہناً قبول کرلیں ان کو ایک جماعت میں منظم کیا جاتا ہے۔ قرآن سے ان کی تربیت اور تزکیہ کیا جائے۔

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کی عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

جب یہ تعداد مسنون حد تک پہنچتی ہے تو انقلابی اقدام کرتے ہیں گویا تربیت میں ان کو محض صبر کے خوگر بنائے جاتے ہیں۔ لہٰذا اقدام کے وقت یہ تن من دھن قربان کرتے ہیں۔ آخر میں مسلح تصادم کا مرحلہ آتا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں یہ تصادم بالکل یک طرفہ ہوگا۔ آخر میں نتیجہ نکلتا ہے۔

گر جیت گئے تو کیا کہنا
ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اس سادہ مگر پُر وقار پروگرام کا اختتام دعا پر کیا گیا۔ (حضرت نبی محسن' باجوڑ)

حلقہ جنوبی پنجاب (ملتان) کے زیر اہتمام شجاع آباد میں سہ روزہ

حلقہ جنوبی پنجاب (ملتان) کے زیر اہتمام ملتان کی تحصیل شجاع آباد میں مورخہ 26 تا 28 ستمبر کو سہ روزہ پروگرام ہوا۔ جس میں لاہور مرکز سے ناظم دعوت محترم رحمت اللہ بٹر صاحب اور معاون ناظم دعوت محترم محمد اشرف وصی صاحب نے خصوصی شرکت فرمائی۔ جبکہ کراچی کے ایک رفیق (نقیب) بھی تفریغ اوقات کے سلسلے میں اس پروگرام میں شامل تھے۔ تقریباً 12 افراد پر مشتمل یہ قافلہ صبح ساڑھے سات بجے قرآن اکیڈمی ملتان سے شجاع آباد کے لئے روانہ ہوا۔ ہمارا پڑاؤ مسجد خان محمد والی خیر پور روڈ پر ہوا۔ تین دن کے لئے طے شدہ معمولات کے مطابق مسجد مذکورہ کو مرکز بنا کر اردگرد کی مساجد میں مختلف اوقات میں مختلف رفقاء نے فرائض دینی کے جامع تصور کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ مسجد خان محمد والی میں روزانہ صبح نو تا بارہ بجے محمد اشرف وصی صاحب نے رفقاء کے ساتھ فرائض دینی کے جامع تصور' تنظیم اسلامی کا پس منظر' مقصد تنظیم اور منہج انقلاب نبویؐ کے موضوعات پر سیر حاصل مذاکرہ کیا۔ جس میں رفقاء کے فکر کو نئی جلا اور مزید گہرائی ملی۔ اسی طرح روزانہ بارہ تا ایک بجے تک محترم رحمت اللہ بٹر صاحب اس مذاکرے میں رہنے والی تشنگی کو پورا کرتے رہے۔ جمعۃ المبارک کی وجہ سے مسجد خان محمد والی میں جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے عبادت رب کے موضوع پر تین سو افراد سے خطاب کیا۔ جبکہ اشرف وصی صاحب نے اسی موضوع پر قاضیاں والی مسجد میں خطاب جمعہ دیا۔ ظہر تا عصر کا وقت روزانہ آرام کے لئے مختص تھا۔ نماز عصر کے وقت مسجد گلستان المعروف کمیٹی والی میں جناب اشرف وصی صاحب نے عبادت رب' شہادت علی الناس اور اقامت دین کو نہایت مختصر وقت میں پُر جوش انداز کے ساتھ بیان کیا۔ سامعین کی تعداد روزانہ چالیس افراد کے لگ بھگ رہی۔ عصر تا مغرب روزانہ رفقاء نے بازار میں نظام خلافت اور دروس پر مبنی دعوتی پمفلٹ تقسیم کئے۔ بازار کی خاص بات جس سے رفقاء بہت متاثر ہوئے وہ یہ تھی کہ دکانداروں کی اکثریت باریش اور نمازی ہے کیونکہ شجاع آباد ہی شاید پاکستان کا وہ واحد شہر ہے جس میں کوئی سینما ہال نہیں نماز فجر کے بعد اور پھر نماز عصر کے بعد بودلہ کالونی کی مسجد میں رحمت اللہ بٹر صاحب نے خطبات کے فرائض سرانجام دیئے اور عبادت رب' بندہ مومن اور امتِ مسلمہ کے دینی فرائض بیان کئے محترم اشرف وصی صاحب نے شاہی مسجد میں بعد نماز مغرب ان تین دنوں میں تینوں دینی فرائض لوگوں کے سامنے رکھے۔ تعداد اوسطاً 70 افراد کے قریب رہی۔ عشاء کے وقت روزانہ مرکزی مسجد خان محمد والی میں رحمت اللہ بٹر صاحب نے مفصل بیانات کئے۔ اوسطاً حاضری چالیس افراد رہی۔ نماز فجر کے بعد کراچی کے رفیق محترم نوید صاحب نے سورۃ الحشر کے آخری رکوع پر درس دیا۔ دوسرے دن اسی رکوع پر محترم بٹر صاحب نے بعد از نمازِ فجر درس دیا۔ اس طرح یہ معمولات تین دن جاری رہے۔ مقامی لوگوں کی اکثریت نے ایسے پروگرام جاری رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ شجاع آباد کے چار رفقاء میں سے دو بزرگ رفیق جناب حسین احمد صاحب اور حق نواز صاحب نے ان تین دنوں میں حق میزبانی ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ 28 ستمبر کو بعد نماز عشاء رفقاء نے واپسی کا سفر باندھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے ان خادموں کو استقامت عطا فرمائے اور ان کی کوششوں کو بارآور فرمائے (آمین) (مرتب: محمد زاہد ملک)

جلال پور پیر والا میں دعوتی سرگرمیاں

29 ستمبر کو مرید حسین صاحب نے جو مرکزی دفتر میں کیشیئر کے طور پر کام کرتے ہیں' کا آبائی گاؤں ہے' ان کی خواہش پر مختلف پروگرام ہوئے۔ مرید حسین صاحب نے مدرسہ رحمانیہ میں مغرب کے وقت بیان کی اجازت لے رکھی تھی۔ یہاں ''عبادت رب اور بندہ مومن کی ذمہ داریاں کے موضوع پر خطاب ہوا۔ جناب محمد بلال صاحب کے ذریعے غازی پور میں قاضی محمد سعید صاحب والی مسجد میں بعد نماز عشاء اور بعد نماز فجر خطابات میں عبادت رب' بندہ مومن اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں بیان کی گئیں۔ غازی پور کے ایک رفیق نے چھ اساتذہ کو جمع کیا اور ان کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ ملاقات ہوئی انہیں دین اور تنظیم اسلامی سے متعارف کروایا گیا۔ 30 ستمبر کو مسجد کچہری میں مختصر خطاب ہوا اور پھر بار روم میں انسان کی مسؤلیت کی بنیادیں اور انبیاء و رسل کا مقصد بعثت بیان کیا گیا نیز وکلاء حضرات کو دین اور مذہب کے فرق سے روشناس کروایا گیا۔ بعد میں جناب محمد یونس اور مذہب کے فرق سے روشناس کروایا گیا۔ بعد میں جناب محمد یونس کرمانی صاحب ایڈووکیٹ نے کھانا کھلایا اور پھر واپسی کا سفر شروع ہوا اور صبح پانچ بجے کے قریب لاہور پہنچ گئے۔

(رحمت اللہ بٹر)

سٹاپ پریس

ملت اسلامیہ پاکستان کے سربراہ اور قومی اسمبلی کے رُکن مولانا محمد اعظم طارق اور اُن کے چار رفقاء 6 اکتوبر 2003ء کو موڑ گولڑہ کے قریب کشمیر ہائی وے' ٹال پلازا پر پجارو میں سوار دہشت گردوں کی اندھا دھند فائرنگ سے جان بحق ہو گئے۔ انا للّٰہ و انا الیه راجعون۔ مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں' ارکانِ اسمبلی' اہل الرائے نے اِس بہیمانہ قتل کو ملک کا بڑا سانحہ اور قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی سازش قرار دیا ہے۔ انسپکٹر جنرل پولیس میجر (ر) محمد اکرم کا یہ بیان درست نہیں ہے کہ یہ فرقہ واریت کا نتیجہ ہے۔ درحقیقت یہ موساد' را اور دوسری غیر ملکی ایجنسیوں کی دہشت گردی ہے جو پاکستان میں انتشار پھیلانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت اور اُن کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ ہم اُن کے غم واندوہ میں برابر کے شریک ہیں۔ (ادارہ ندائے خلافت)

دعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی لاہور کے ناظم بیت المال محمد بن عبدالرشید رحمانی کے داماد ظہیر محمود بن محمد بنارس صاحب' رفیق تنظیم عرصہ چھ ماہ سے کمر کے شدید درد میں مبتلا ہیں۔ کوئی علاج کارگر نہیں ہو رہا۔ قارئین ندائے خلافت سے دعائے صحت کی استدعا ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

تنظیم اسلامی لاہور شرقی کے ملتزم رفیق جناب میاں محمد اکرام کی چچی گزشتہ دنوں انتقال کر گئی ہیں۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقاء تنظیم اسلامی سے استدعا ہے کہ وہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کی دعا فرمائیں۔

☆☆☆

اسرہ بٹ خیلہ کے رفیق جناب ذاکر حسین کی والدہ ماجدہ اور رفیق جناب احتشام الحق کی پھوپھی صاحبہ بقضائے الٰہی وفات پا گئیں ہیں۔ رفقاء و احباب سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

neither new nor permanent. Peoples or cities or civilisations grow insolently proud of such things. There were many such in the past who did not allow others to believe in something which they did not considered as the Truth. However, they are now mere names!

4. Verse 28:60 goes on to explain: " The (material) things which ye are given are but the conveniences of this life and the glitter thereof; but that which is with Allah is better and more enduring. will ye not then be wise?" No wise soul will be absorbed in the fallacies of new standards and neglect the permanent rewards, or will hesitate for a moment if it comes to be a choice between them.

Without getting confused in the twisted logic such as one has to be American Muslim or Muslim American, we need to ask: Are not the concepts of human rights, freedom of expression, freedom for women to inherit and own property; people to follow their own religious beliefs, etc., the principles of Islam? Is not all the goodness of being an American - re-packaged under different labels - not there in Islam?

Being a good Muslim is not a threat. Being a good Muslim will make a person good citizen of any country. People who are not true to their faith can never be true to any state or trustworthy citizens of any country.

If Muslims are not good Muslims, it does not mean that Islam is redundent and we should look for standards other than the standards of Islam. If we are not good Muslims, it does not mean that a person who refuses to accept the Qur'an as "final meanifesto of God" should become "practicing Muslim" and an atheist become a "moderate" for the West. The more Muslims run away from Islam (which the real Muslims will never do), the more only renouncing Islam would become the only option for them to be physically safe and materially blessed in their Western sanctuaries.

The most important trouble with Muslims thier total silence at the Western media's projection of athiests, rejectionists of Prophet Muhammad (PBUH) as the Last Prophet, rejectionists of the Qur'an as the final manifesto of Allah and those who lead gay and lesbian perades (Manji) as Model Muslims. This is the right time for Muslims to let non-Muslims understand that Islam is not a label that anyone may use to hide his malicious intentions of undermining Islam. The Western public has to understand at least the minimal criteria that a person has to fulfill before qualifying as a Muslim.

NOTES

1. Daniel Pipes, "[Moderate] Voices of Islam," New York Post, September 23, 2003.

2. See, publisher's note on Irshad Manji's latest book, "The Touble with Islam."

3. Being a Muslim, one has to be moderate. While talking about "people of the book," Al-Qur'an refers to those "who observed the Torah and the Gospel and that which was revealed unto them from their Lord," as "moderates" (Al-Qur'an 5:65-66).

There are numerous Ahadith which show that Muslims need to be moderate not only in their attitude, dealings and day-to-day affairs, but also in their religious matters. Abu Huraira narrates Muhammad (PBUH) as saying, "The good deeds of any person will not make him enter Paradise" unless he is "moderate in [his] religious deeds and do the deeds that are within [his] ability" (Bukhari, Vol 7, book 70, Hadith 577).

At another occasion, Allah's Apostle said, "The deeds of anyone of you will not save you (from the (Hell) Fire)." The companions asked, "Even you (will not be saved by your deeds), O Allah's Apostle?" He said, "No, even I (will not be saved) unless and until Allah bestows His Mercy on me. Therefore, do good deeds properly, sincerely and moderately." (Bukhari, Vol 8, Book 76. To Make The Heart Tender -Ar-Riqaq- Hadith 470.)

Aisha reports at yet another occasion, Prophet Muhammad (PBUH) said, "Do good deeds properly, sincerely and moderately and know that your deeds will not make you enter Paradise, and that the most beloved deed to Allah's is the most regular and constant even though it were little,"(Shahih Bukhari, Vol 8, Book 76). After going through these, who can deny that Muslims can never be Muslims if they are not moderate.

4. Ibid. publisher's note.

5. Ibid. Pipes.

6. Ishtiaq Ahmed moderator Asiapeace (an electronic discussion group),

comments on Tarek Fatah and Nargis Tapal's article "Do foes of gay

marriages simply fear joy itself?" The Toronto Star, http://www.thestar.ca/

NASApp/cs/ContentServer?pagename=le&cid=1063231812875&call_pageid=1018935398l&col=1011789353556

7. This statement ignores the fact that Islam is a universal religion and all Muslims are on regardless of their colour, creed, place of abode, etc. They do not consider fate of Muslims suffering in one part of the world different from the Muslims enjoying life in another. Muslims in one part of the world cannot ignore the plight of Muslims in other parts of the world simply because such a moral or otherwise support will make them lose their benefits. Prophet Muhammad (PBUH) said, "You see the believers as regards their being merciful among themselves and showing love among themselves and being kind, resembling one body, so that, if any part of the body is not well then the whole body shares the sleeplessness (insomnia) and fever with it," (Vol 8, Book 73, Good Manners And Form (Al-Adab), Hadith 040, (Shahi Bukhari) Narrated By An-Nu'man bin Bashir).

To become American Muslims, the new standard calls on classifying Muslims and ignoring the fact that Muslims resemble one body. They are one body no more. Shahi Muslim also reports in Book 32 under Virtue, Good Manners, Hadith 6261: "Nu'man b. Bashir reported that Muslims are like one body of a person, if the eye is sore, the whole body aches, and if the head aches, the whole body aches."

Abid Ullah Jan
(e-mail:abidjan@tanzeem.org)

The Trouble with Muslims

For Muslims living in the West, there are some interesting new standards in the making. Accepting these standards is becoming necessary for their existence as equal citizens. Both Muslims and non-Muslims are busy in setting these standards. Unlike the unquestioning acceptance by a few, a majority of Muslims is embracing these values due to the fear of their outright social rejection as "fundamentalists" and terrorists."

To pick from the long list of examples, look at the new model of an acceptable Muslim in the Western world. Irshad Manji is a role model for the rest of Muslims to follow. Having applied all the new standards, author of The Trouble with Islam, is now considered "a practicing Muslim," [1] who, in fact, believes that "an uncritical acceptance of the Koran as the final manifesto of God" is one of the "disturbing cornerstones of Islam."[2] So, the message is: follow Manjil, stop believing that Qur'an is the "final manifesto of God" if you want to be a modern "practicing Muslim."

This is just one pre-condition. The list, in fact, grows longer every day. I have been pointing out that even exploiting the term "moderate" is not the sufficient as that is not the final frontier or the ultimate surrender. A Muslim cannot be a Muslim without being moderate.[3] However, "Practicing Muslims" like Manji calls the exploiters of this term as "so-called moderates" and equates them with "fundamentalists" for their sharing a "sense of spiritual supremacy."[4] Interestingly, "sages" like Pipes consider even atheists as moderates.[5]

The confusion also grows all the while. According to the latest standards, the self-proclaimed moderates have become so-called moderates. Atheists are moderates and refusenicks are practicing Muslims. All the rest are "fundamentalists" and potential terrorists.

According to the new standards you don't have to be silent to be tolerant. You rather have to be bold enough, for example, to "question the taboos against gay rights"[6] and you must "embolden [fellow] Muslims to question their faith."

Above all, an interesting weakness identified by learned Muslims in the Muslim community living in the US is their lack of American-ness. For putting American in 'American Muslim,' Muqtedar Khan suggests in his September 7, 2003, article in the New York Times that for American Muslims "the interests of [their] sons and daughters, who are American, must come before the interests of [their] brothers and sisters, whether they are Palestinian, Kashmiri or Iraqi." He concludes, "Only then will Muslims in America become American Muslims."[7]

Irrespective of going into details of questioning the validity of these statements, the bottom-line is that it is not distance that forces Muslims in the West to ignore message of the Qur'an and Hadiths to forget about brothers and sisters abroad and focus on sons and daughters in the West. It is the social environment that has come into shape after years of anti-Islam campaign in many visible and invisible forms. As a result, if Muslims are ready to live by the yet evolving new standards for them, they are most welcome. Otherwise, they should go live where they may like, but not among Manji's and Daniels.

As far the acceptance of standards, which are contrary to even the straight forward injunctions of the Qur'an and Hadiths, is concerned, this is not the first time in history that a people are indulge in this practice due to multiple fear such as losing job, losing social status, losing green cards and above all the opportunity to live in the West. The expectations are what Pipes described: "celebration by governments, grants from foundations, recognition by the media and attention from the academy."

Many people in Makka expressed the same fear felt by many Muslims in the West today. They told Prophet Muhammad (PBUH) that they understand the reality and the Truth, but if they abandon their people and accept the Truth, they shall lose their hold on the land, and other people will dispossess them (Al-Qur'an 28:57). The answer to this fear is manifold and Muslims under similar circumstances today must keep it in mind.

1. The places which Muslims consider as safe sanctuaries will not remain so just because of their acceptance of un-Islamic standards. It is Allah who keeps them safe and secure. Obeying Allah's word will strengthen Muslims. Seeking Allah would not humiliate or weaken them.

2. The next verse (Al-Qur'an 28:58), explains, if you reject the truth just for the fear of dispossession and displacement, do not think these places would remain safe sanctuaries for you because of the security guards or due to showering of gifts and benedictions by the non-believers. Allah has the power to punish you with the non-believers: "And how many populations We destroyed, which exulted in their life (of ease and plenty)! now those habitations of theirs, after them, are deserted,- All but a (miserable) few! and We are their heirs!"

3. Your rejection of the Truth and acceptance of the yet evolving new standards might be for honours, celebrations, awards, grants, etc. In that case, do not forget that such material gains and the comforts for which you abandon Divine standards for life are